۳-۱۰ مارچ ۱۹۷۸

ٹکا خان کا
کوثر نیازی کے خلاف مورچہ

قیمت، دو روپے پچاس پیسے

سلہری کی نئی تحقیق

صحافی اسلام جناب سلہری نے "نوائے وقت" لاہور میں شائع شدہ اپنے ایک مضمون میں لیاقت علی خان کو مسلم بنگال کے سر منڈھ دیا ہے۔ اس سے پیشتر لیاقت علی خان کو مہاجروں کی گود میں ڈالا جاتا تھا۔ لیاقت علی خان کا تعلق کرنال سے تھا یہ سوال جغرافیہ سے پوچھیئے کہ کرنال کس صوبہ میں واقع ہے جو لوگ خطۂ زمین سے انسانی تعلق کے منکر ہوتے ہیں انہیں تو ہی شجرہ میں ولدیت کا خانہ خالی ہی نظر آتا ہے حمید نظامی مرحوم نے اپنی ذاتی ڈائری میں لیاقت علی خان کے بارے میں گفتنی ناگفتنی سب ہی لکھ دی سلہری صاحب نے سورج کے غروب ہونے کی سمت ہی بدل دی۔ وہ کرنال کو مشرقی بنگال کے نقشہ میں تلاش کر رہے ہیں۔ بلکہ دریافت کر کے اپنی تحقیق سے سیاسی دنیا کو آگاہ فرما رہے ہیں۔ اور "نوائے وقت" کو اگر ابن الوقت کی آواز سمجھا جائے تو پھر سب چلتا ہے جس سے مطلب نکلے اور مقصد بر آئے سلہری صاحب قلم سے نہیں ڈنڈے سے لکھتے ہیں تاریخ ان کے خیال میں ۱۹۴۷ء یا زیادہ سے زیادہ ۱۹۴۰ء سے شروع ہوتی ہے چنانچہ نظریۂ پاکستان کو ایسے پاسبان ملے تو کہنا پڑتا ہے۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اخبارات سلہری صاحب کو ہزاروں روپیہ ماہانہ اپنی خواہش یا کسی دوسرے کی خواہش پر ادا کرتے ہیں اور یوں پیسہ دیکر جھوٹ پھیلانے کا بندوبست کیا جاتا ہے تاریخ کے گریبان میں ہاتھ مت ڈالو کہ اس وقت تاریخ کا ہاتھ ہمارے گریبان میں ہے۔

سعد انصاری — لاہور

مہاجر علاقہ پگارا کو الاٹ ہوگیا

الفتح میں شائع شدہ رپورٹ کے مطابق مسلم لیگ پگارا گروپ کے وطن فروشوں نے مہاجر کو یہ پند سود مند دیا ہے کہ وہ جان کی امان چاہتے ہیں تو لیگ سے وابستہ رہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا مہاجر علاقہ پگارا گروپ کے غنڈوں کو الاٹ ہو گیا ہے کیا پگارا شریف ہمارے علاقہ کے سب سے بڑے دادا ہیں

توحید رحمانی۔ گولیمار کراچی۔

سندھ میں بے نظیر بھٹو کی مقبولیت

گزشتہ روز پاکستان پیپلز پارٹی کے چیرمین کی صاحبزادی مس بے نظیر بھٹو بلا کسی طے شدہ پروگرام کے ٹنڈو محمد خان پہنچیں مس بے نظیر کی آمد سے پہلے ٹنڈو محمد خان میں سیاسی ہلچل نہ ہونے کے برابر تھی مس بے نظیر سے پہلے پی این اے کے سیکریٹری جنرل پروفیسر غفور احمد بھی ٹنڈو محمد خان کا دورہ کر چکے تھے طے شدہ پروگرام اور اخبارات میں پبلسٹی کے باوجود جماعت والے تین سو سے زائد کارکن جمع نہ کر سکے ادھر ٹنڈو محمد خان کے دو سیاسی گروہوں میر گروپ اور پیر گروپ کی چپقلش کے باعث وہ پیر صاحب گروپ کے سربراہ پیر سعید جان سے ان کے بھائی کے انتقال پر تعزیت کرنے ٹنڈو سائیداد پہنچے۔ لیکن وہاں پیر سعید جان نہ ملے۔ اس طرح وہ پیر سعید جان کو پی این اے میں شامل نہ کر سکے۔ دوسرے روز ہی اخبارات سے معلوم ہوا کہ پیر سعید جان نے ہوا کا رخ دیکھ کر بیگم نصرت بھٹو سے ملاقات کر کے دوبارہ پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی۔ پیر گروپ جو اس علاقے کا ایک طاقتور گروپ ہے شروع ہی سے پیپلز پارٹی میں ہے ان کا تعلق پیپلز پارٹی کے عافیت پسند گروپ سے ہے۔ پروفیسر غفور کے ٹنڈو محمد خان کے ناکام دورے کے بعد ایکبار پھر ٹنڈو محمد خان میں سیاسی ہلچل ختم ہو گئی۔ پیپلز پارٹی اور سپاف کے کارکن البتہ اپنی جدوجہد میں مصروف نظر آ رہے تھے۔ مس بے نظیر بھٹو نے بدین سے دوپہر کو میر گروپ کے سربراہ اور سابق صوبائی وزیر میر اعجاز علی تالپور کو ٹیلیفون پر کہا، "انکل میں آج شام ٹنڈو محمد خان آ رہی ہوں۔" یہ خبر پیپلز پارٹی کے کارکنوں تک پہنچی۔ اور جو کارکن ماتلی میں تقریر سننے گئے تھے ان سے بھی ملاقات کے دوران مس بے نظیر نے ٹنڈو محمد خان آنے کی دعوت قبول کر لی۔ اس طرح تین بجے شہریوں کو مس بے نظیر کی آمد کا علم ہوا جب رات کو ۸ بجے مس بے نظیر بھٹو ٹنڈو محمد خان پہنچیں۔ تو ان کے استقبال کے لئے پورا شہر امڈ پڑا۔ دیہاتیوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد جمع تھی۔ ٹنڈو محمد خان میں عید کا سا سماں تھا۔ دس ہزار سے زائد افراد کے جم غفیر نے بے نظیر کا نہایت ہی پرتپاک خیر مقدم کیا۔ لوگ فرطِ مسرت سے جھومنے لگے اور رقص کرنا شروع کر دیا۔ مس بے نظیر نے رات کا کھانا میر اعجاز علی تالپور کے ہاں کھایا۔ اور وہیں مقیم رہیں انہوں نے میر صاحب کی رہائش گاہ اور پارٹی دفتر میں کارکنوں سے خطاب کیا۔ پیر سعید جان نے انہیں اجرک کا تحفہ پیش کیا۔ دختر پاکستان نے اپنی مختصر تقریر میں کہا۔ ٹنڈو محمد خان کے غیور شہریو! آج سے سات سال قبل میرے والد نے حیدرآباد سے بدین تک ۶۲ میل لمبے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے ٹنڈو محمد خان میں کہا تھا کہ پاکستان پر جب بھی نازک وقت آئے گا بھٹو خاندان اپنے آپ کو غریب عوام کے مفاد کے لیے قربان کر دے گا پیپلز پارٹی کے جیالے کارکنو! یہ نہ کہنا کہ جب ملک میں جمہوریت کو ختم کیا گیا آزادیاں سلب کی گئیں کوڑے لگائے گئے، ظلم کی سیاہ رات کو طویل تر کرنے کی کوششیں کی گئیں تو بے نظیر ڈر کر گھر میں بیٹھ گئی۔ میں مجاہد کی بیٹی ہوں آپ کے لئے غریب کی عزت کے لیے جمہوریت کے لیے میں سو مرتبہ بھی قربان ہونے کو تیار ہوں۔ ساتھیو! پاکستان مسلمانوں نے ہندوؤں کی غلامی سے بچنے کے لئے بنایا تھا اب یہاں سرحدی گاندھی کو مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے میں کہتی ہوں یہاں غریبوں کی سیاست چلے گی۔ سرحدی گاندھی کی سیاست نہیں چلے گی۔ انہوں نے تالیوں کی گونج میں اعلان کیا کہ بھٹو خاندان پاکستان کے غریب عوام کے لیئے ہر قربانی دینے کو تیار ہے انہوں نے پارٹی کے لیئے میر اعجاز علی تالپور، میر ممتاز علی تالپور، میر مشتاق علی تالپور، پیر سعید جان سرہندی، زاہد میمن، عبدالحکیم میمن، مسعود بھٹی اور ڈاکٹر امید علی، مزدور رہنماؤں حاجی عبداللہ اور مراد علی کی خدمات کو سراہا اس موقعے پر تقریر کرتے ہوئے سابق صوبائی وزیر میر اعجاز علی تالپور نے کہا ہے کہ میں شروع سے چیرمین بھٹو کا ساتھی ہوں اور آخر دم تک ان کا ساتھ دیتا رہونگا انہوں نے کہا کہ اگر پیپلز پارٹی کے لیئے جان بھی دینی پڑے تو میں یہ اعزاز اپنے لیئے باعثِ صد افتخار سمجھوں گا۔

آغوش سندھی ٹنڈو محمد خان

فرمانِ خدا

اقبال کا سال منایا گیا۔ اور سال گزر گیا۔ یادگار اقبال کی بنیاد رکھی گئی۔ اقبال یونیورسٹی قائم ہوئی لیکن بیچارہ دہقان ابھی تک بھوکا ہے نہ کھیت جلا نہ گندم دہقان کا بچہ ابھی تک تعلیم کی سہولتوں سے محروم ہے نہ اقبال یونیورسٹی جلی نہ کوئی درسگاہ علامہ اقبال چیخ رہے ہیں پکار رہے ہیں۔

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو۔

لیکن صاحب کون سنتا ہے کون عمل کرتا ہے۔ دراصل کچھ ہوا ہی بے عملی کی چلی ہے علامہ اقبال تو بے چارے ناچیز شاعر ہی تھے اگر ان کا سال منا کر ان کی یادگاریں قائم کر کے ان کے شعروں کو بیانگ پڑھ کر عمل نہ کیا گیا تو صبر کر لیں گے اپنے بندۂ ناچیز ہونے پر لیکن سوچتی ہوں جب لیڈر اور حاکم قرآنی آیات کا اپنی تقریروں میں حوالہ دیتے ہیں اور حدیثیں بتاتے ہیں کہ وعدہ کر کے پورا نہ کرنے والا منافق ہے پھر وعدہ کرتے ہیں اور پورا نہیں کرتے اتحاد کو اسلامی روح بتاتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اتحاد صرف بھٹو کو ختم کرنے کے لیئے کیا تھا۔ ان حالات میں خداوند بزرگ کی کیا کیفیت ہو گی قرآنی آیات پڑھ کر لوگوں کو متاثر کرنے اور عمل طور پر متضاد کردار ادا کرنے کا اثر اللہ برتر پر کیا ہوتا ہوگا۔ بات کہاں سے کہاں پہنچی۔ بات تو تھی کہ اقبال کا دہقان بھوکا مر رہا ہے ہر نئے دن ایسی سازشیں کی جا رہی ہیں کہ دنیا کی تمام تر آسائشیں ان پر حرام کر دی جائیں۔ کاش اقبال پھر زندہ ہو کر آتے۔ ان روشنیوں کے شہر والوں کو بتاتے کہ تمہارے اتنے بڑے پیٹ صرف دہقان کے خون پسینے کی کمائی سے بھرتے ہیں۔ تم اتنے احسان فراموش کیوں ہو گئے ہو۔ تم لمبی داڑھی والو قرآن کا ورد کرنے والو، تسبیح کے دانے پھیرنے والو اس دہقان کے بچے سے روٹی کیوں چھینتے ہو تمہارے بچوں کو پڑھنے کے لئے بجلی کے قمقموں کی سہولت ہے اسکول جانے کے لئے کاروں اور بسوں کی آسانی ہے اسکول، لیبارٹری اور اعلیٰ اساتذہ کی فراہمی ہے ٹیوشن کی آسانی ہے۔ خوشی اور بے فکری ہے۔ سفارشوں کی آسانی اور کارتوسوں کی آزادی ہے۔ ادھر دیکھو اسلام کے دعویدارو! قرآنی آیات کا حوالہ دیکر قوم کو لوٹنے والو۔ مساوات کے دعویدارو۔ صداقت کا پرچار کرنے والو۔ ادھر دیکھو اقبال کے دہقان کا بچہ جس کے جسم پر چیتھڑے ہیں۔ پیروں میں جوتا نہیں چار میل سفر کر کے اسکول پہنچتا ہے اس کے پیر میں راستے کے پتھروں اور خاروں سے جو زخم لگے ہیں ان سے ٹپکتا لہو دیکھو۔ پھر بھی کہتے ہو تمہارا حق مارا جا رہا ہے۔ کیا یہ جھوٹ ہے کہ تمہارا فرسٹ ڈویژن ان کے خون سے عبارت ہے اگر یہ جھوٹ ہے تو تم ان کی جگہ جاؤ اور انہیں اپنی جگہ بٹھاؤ پھر دیکھو کون فرسٹ ڈویژن لاتا ہے۔ مگر یہ تمہارے جیسے کم ظرف نہیں ہیں۔ انہوں نے اقبال کو اپنایا ہے حالانکہ اقبال کا ورد نہیں کرتے۔ مجھے کہنے دو مجھے کہنے دو کہ کوٹہ سسٹم دہقان کا حق ہے۔ ان لوگوں کا حق ہے جن کو روشنی کے شہروں والی سہولتیں میسر نہیں۔ جن کو وہ ماحول میسر نہیں جو شہر والوں کو ہے اگر ان کو یہ حق نہ ملا تو اقبال پھر آئے گا۔ کھیت جلیں گے غریبوں کی آہوں کا دھواں فلک تک جائے گا پھر خدا جو اب تک لیڈروں کی آیتوں کے حوالے سن رہا ہے اس کا بھی صحیح ردِ عمل معلوم ہوگا۔

خدیجہ شیخ
لطیف آباد، حیدرآباد۔

بلوچوں کی جدوجہد

پنجاب کے محنت کش جاگ اٹھے ہیں وہ سمجھ چکے ہیں کہ بلوچوں کی جدوجہد سرداروں کی لڑائی نہیں ہے۔ بلکہ ان کی قومی جمہوری حقوق کی جنگ ہے ہم یہ جان چکے ہیں کہ دنیا کی قیمتی

(باقی ص ۳۹ پر)

ایڈیٹر
وہاب صدیقی

ایسوسی ایٹ ایڈیٹر
واحد بشیر

کالم نگار
حسین نقی
شبیہہ الحسن

سچ جھوٹ
اُمرجلیل
طنزومزاح
ابوضیا اقبال

اسلام آباد
حمیر شیراز

صوبائی نمائندے
احسان عظیم
سندھ مقیم حیدرآباد
کاشف
پنجاب مقیم لاہور
شہزاد غزنوی
سرحد مقیم پشاور
ناصر عرفات
بلوچستان مقیم کوئٹہ

انتظامی امور
وقیع احمد صدیقی

آرٹسٹ
سعیدالدین

۳-۱۰ مارچ ۱۹۷۸

جلد: ۸
شمارہ: ۴۳

ٹیلیفون
۴۳۲۲۷۴

قیمت
۲- روپے ۵۰ پیسے

ضلعی نمائندے

○ ناصر خان، میرپورخاص ○ ایاز سندھی، سانگھڑ ○ ابراہیم عباسی، خیرپور، سکھر، جیکب آباد، لاڑکانہ
○ کامل سموں، ٹنڈوالہیار ○ ناصر زیدی، ملتان ○ فاروق طارق، شیخ شوکت علی، فیصل آباد، گوجرانوالہ ○ محمد افضل جنجوعہ
○ قاضی غیاث الدین جانباز شیخوپورہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ ○ سلیمان شریف۔ گوادر ○ روشن ملک میانوالی ○ سیّد نذیر گیلانی آزاد کشمیر

غیر ممالک

■ پیکنگ، رشید بٹ ■ ماسکو، محمد زاہد ■ کینیڈا، سید ابن سعود ■ لندن، عبدالحفیظ قریشی
■ متحدہ عرب امارات مقیم دبئی، غلام جیلانی

ارشاد راؤ پبلشر نے ناظر پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر
ہفت روزہ الفتح ۶۹-۵ ڈی زسری کمرشل ایریا۔ پی، ای، سی، ایچ، ایس کراچی ۲۹ سے شائع کیا

وضاحت کیجئے

پچھلے ہفتے کے دوران دو چونکا دینے والی باتیں سامنے آئی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ مثبت نتائج کے حصول کے یقین تک انتخابات منعقد نہیں ہوں گے۔ دوسری یہ کہ اگر پیپلز پارٹی اپنی سابقہ بداعمالیوں کا اعتراف کرے اور نئے امیدوار نامزد کرنے کا وعدہ کرے تو قومی اتحاد پندرہ دن کے اندر اندر انتخابات منعقد کرانے کا مطالبہ کرنے کو تیار ہے۔ پہلی بات برّی افواج کے چیف آف اسٹاف اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے سبی میں کہی۔ دوسری بات قومی اتحاد کے سیکرٹری جنرل اور جماعت اسلامی کے ممتاز پارلیمانی راہنما پروفیسر عبدالغفور احمد صاحب نے چنیوٹ میں بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو ہم اس بات پر تبصرہ یا تنقید کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ اوّل یہ کہ "مثبت نتائج" کے سیاق و سباق کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ دوئم یہ کہ کہنے والے کی سرکاری حیثیت کے پیش نظر تبصرہ اور تنقید کا دائرہ انتہائی محدود ہو جاتا ہے۔ ہم صرف یہ کہنے پر اکتفا کریں گے کہ اگر اس اصطلاح کی وضاحت کر دی جائے تو اصل صورتحال صاف طور پر لوگوں کے سامنے آجائے گی۔

دوسری بات چونکہ ایک سیاسی رہنما نے کہی ہے۔ اس لیے اسے زیر بحث لایا جا سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ ہر بات سوچ سمجھ کر کہیں گے۔ اس مفروضے کے تحت پروفیسر صاحب نے انتخابات منعقد کروانے دوسرے الفاظ میں بحالئ جمہوریت کی اجارہ دار پیپلز پارٹی کو قرار دیا ہے۔ اور اس کے مطالبے کی حمایت کے لیے یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ پچھلے گناہوں کا اعتراف کرے۔ اور نئے نمائندے نامزد کرے۔ ہم نے عیسائیوں کے ایک فرقے کے بارے میں تو یہ سنا تھا کہ ان کے عقیدے کے مطابق پادری کے سامنے اعترافِ گناہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ پتہ نہیں تھا کہ پروفیسر صاحب وہ سیاسی پادری ہیں جن کے سامنے اعترافِ گناہ سے سیاسی گناہ معاف ہو جائیں گے جہاں تک نئے نمائندے نامزد کرنے کا معاملہ ہے تو شاید پروفیسر صاحب سابق مشرقی پاکستان میں کیے گئے "تجربے" کو دہرانا چاہتے ہیں جس میں جماعت کو وزارتیں بھی حاصل ہو گئی تھیں۔ ملکی سیاست سے دلچسپی رکھنے والے لوگ اس سیاسی مہم پسندی کے نتائج کو بھلانا چاہیں بھی تو نہیں بھلا سکتے۔
ہم تو پروفیسر صاحب سے صرف اتنا پوچھنا چاہتے ہیں کہ ان کی زیرِ بحث تجویز کو قومی اتحاد کی اور کتنی جماعتوں کی تائید حاصل ہے۔ ہم نے اب تک صحیح یا غلط طور پر یہ سمجھا تھا کہ قومی اتحاد ملک میں پارلیمانی نظامِ جمہوریت کی بحالی کے لیے وجود میں آیا تھا لیکن پروفیسر صاحب کے زیر بحث بیان نے ایک نئی اور نامانوس شکل کو متعارف کرایا ہے۔ ہم پروفیسر صاحب سے گزارش کریں گے کہ اپنے اصل مقاصد کو تفصیل سے بیان فرمائیں تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

یکم مارچ کے شہداء کو سلام

یکم مارچ ۱۹۶۳ء کا دن ملک کی تاریخ اور خاص طور پر مزدور تحریک کی تاریخ میں ایک اہم دن ہے۔ جون ۶۲ء میں پاکستان کو تین سال آٹھ مہینے بعد مارشل لاء سے نجات ملی تھی۔ اس عرصے میں مزدوروں کی جدوجہد جاری تو رہی لیکن ایوب خان کی مارشل لاء حکومت نے مزدوروں کو بے دست و پا کر کے سرمایہ داروں کے جبر اور ناانصافی کو بے لگام بنا دیا تھا۔ انتظامیہ کو عادی بنا دیا تھا کہ سرمایہ داروں کے اشاروں پر رقص کریں۔ مزدوروں نے جب ٹریڈ یونینوں کی رابطہ کونسل کی قیادت میں جدوجہد شروع کی تو سرمایہ داروں نے ان کے جائز مطالبات کو (جو بعد میں خون بہانے کے بعد تسلیم کیے گئے) حقارت سے ٹھکرا دیا اور ان کے اشارے پر مقامی انتظامیہ نے یکم مارچ کو پُرامن اور نہتے مزدوروں پر تقریباً پانچ گھنٹے تک گولیاں برسائیں۔ اس وحشت و بربریت کا جواب مزدوروں نے آٹھ دن تک منظم اور متحد ہڑتال کی صورت میں دیا اور مزدور تحریک کو مؤثر مزاحمت کی روشن راہ پر ڈالا یہ روشنی جیالے مزدور شہیدوں کے خون نے بخشی۔ ہم اس لہو کو، ان شہداء کو سلام کرتے ہیں۔

سیاست میں حصہ لینے کی بندش کے خاتمے کے بعد سابق چیف آف آرمی اسٹاف جنرل (ریٹائرڈ) ٹکا خاں کا پہلا خصوصی انٹرویو

مارشل لاء جاری رہا تو فوج اور عوام کے درمیان تصادم کا خطرہ بڑھتا جائے گا

نمائندہ خصوصی

بھٹو کے خلاف غداری کا مقدمہ چلا تو میں دفاع کا اہم ترین گواہ ہونگا

آج کل پاکستان کے سیاسی افق پر کئی رنگ لہرا رہے ہیں لیکن روشن آنکھیں ان رنگوں میں سے مثبت اور عوام کے دلوں کے عکاس رنگ کو پہچان رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی میدان میں اپنے چہروں پر رنگ مَل کر آنے والے افراد کی پیشانیوں پر کلمۂ حق اور حمایتِ شیطان صاف پڑھا جا رہا ہے۔

گذشتہ دنوں یہ بات سیاسی حلقوں میں تیزی سے گردش کر رہی تھی کہ ایک چہرہ میدانِ سیاست میں یکم مارچ کو داخل ہو رہا ہے۔ ہم بھی اس چہرے کی تلاش میں سرگرداں ہوتے اور ہم نے ۲۷ فروری کی شب اسے تلاش کر لیا۔ اور اپنی تلاش میں اٹھنے والی پریشانی اور جناب ٹکا خان کے سیاسی میدان میں اترنے کے سلسلے نظر انداز کرتے ہوئے ہم نے براہِ راست سوالات شروع کر دیئے۔

ہم نے پوچھا: "آپ پر پچھلے دنوں جو بندش لگائی گئی اس کے اسباب کیا تھے؟"

جناب ٹکا نے بڑے صاف ستھرے اور ٹھہرے ہوئے انداز میں جواب دیا: "یہ بندش پی پی پی کے دور میں ہی سرکاری ملازمین پر لگائی گئی تھی لیکن ۹ اگست ۱۹۷۷ء کو لاہور میں کارکنوں کے کنونشن میں میں نے جب تقریر کی تو اس بندش کو مارشل لاء والوں نے دہرا دیا۔

پیپلز پارٹی کے بارے میں ہمارے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مسٹر ٹکا خاں نے کہا: "چیئرمین بھٹو کے بعد بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو نے بے مثال جدوجہد کا مظاہرہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ پارٹی پہلے سے بہت زیادہ مضبوط ہو گئی ہے حالانکہ پارٹی کے خلاف حرکت کرنے والوں نے اسے انتشار کا شکار کرنے کی انتہائی کوششیں کیں۔ انہوں نے کہا کہ بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو نے بہادرانہ جدوجہد کی ہے۔ اب انہیں میری ضرورت پڑی تو میں ہر طرح حاضر ہوں۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ بھٹو خاندان اپنی مثالی جدوجہد کی بنا پر شک و شبہ سے بالا ہے۔ انہوں نے پی پی میں انتشار ڈالنے کی منفی کوششیں کرنے والوں کے نام لئے بغیر کہا کہ عوام نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ بڑی ثابت قدمی سے پی پی کے ساتھ ہیں۔ ہمارے اس سوال کے جواب میں کہ مولانا کوثر نیازی کی جگہ آپ سیکریٹری جنرل ہوتے تو بہتر رہتا؟ انہوں نے کہا مولانا نے اپنے فرائض اور پارٹی کو منظم کرنے کے سلسلے میں کوئی خاص توجہ نہیں دی اور دوسرے کاموں میں زیادہ مصروف رہے۔ اس عرصے میں ان کی صحت بھی خراب رہی۔

ہمارے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا عوامی حکومت کی یہ بڑی غلطی تھی کہ اس نے آرمی کے چیف آف اسٹاف کی سفارش کو نظر انداز کر دیا۔ اور بھٹو صاحب نے اپنی اس غلطی کو کورٹ کے بیان میں تسلیم کیا

کوثر نیازی کا نے اپنے فرائض ادا نہیں کئے

ہے۔ اور انہوں نے کہا میں نے تجویز کیا تھا کہ چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اکبر یا جنرل شریف کو بنایا جائے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ میں نے جنرل عظمت، جنرل آفتاب، جنرل اکرم، جنرل عبد المجید، جنرل جیلانی اور جنرل ضیاالحق کے نام بھی اس خیال سے لسٹ میں شامل کر دیئے تھے کہ اگر میرے تجویز کردہ ناموں پر اتفاق نہ ہوا تو ان میں کوئی ایک نام منتخب کر لیا جائے گا۔ پی پی میں شمولیت کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جو کارنامے پی پی پی نے انجام دیئے ہیں۔ اور جو غلطیاں اس نے کی ہیں وہ میری نظر میں ہیں، میں گزشتہ چار سال پی پی کے قریب رہا ہوں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ کارناموں کے نیچے اس کی خامیاں دب جائیں گی، میں نے چیف آف آرمی اسٹاف کی حیثیت سے جناب بھٹو کے ماتحت کام کیا ہے، پیپلز پارٹی سے میری وابستگی نئی ہو گی اور میں ان کے ماتحت کی حیثیت سے اب بھی کام کرنا اپنے لئے باعث فخر محسوس کروں گا۔

مسٹر ٹکا خاں نے پارٹی کے چیئرمین جناب بھٹو کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ تیسری دنیا کے عظیم لیڈر ہیں، انہوں نے پاکستان کی باگ ڈور اس وقت سنبھالی جب حالات بالکل نازک تھے۔ انہوں نے قوم اور فوج دونوں کا "مورال" بلند کیا، حالات کو سنبھالا اور ملک کی ساکھ بحال کی آج فولاد کے کارخانے اٹیمی ری پروسیسنگ پلانٹ اور تیل کی دریافت کی جو باتیں ہو رہی ہیں وہ بھٹو کی منصوبہ بندی کا حصہ ہیں، یہ اعزاز بھی بھٹو کو ہی حاصل ہے کہ انہوں نے ملک کا دفاع مضبوط کرنے کے لئے سب سے زیادہ رقوم اس مد میں خرچ کیں۔

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اگر آئین ترکی کی طرز پر ہو میں اس کے سخت خلاف ہوں۔ فوج کو سیاست سے دور ہی رہنا چاہیئے۔ میں ہمیشہ سیاست سے دور ہی رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ترکی میں سیاسی استحکام نہیں ہے اور نہ ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ میرے علم کے مطابق ڈیڑھ سو سال سے ترکی کے عوام عدم تحفظ کا شکار ہیں۔

بلوچستان کے سلسلے میں ہمارے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ بلوچستان میں مسٹر بھٹو اور فوج کی کوئی پلاننگ نہ تھی۔ جنوری ۱۹۷۳ء میں فوج کو اس وقت بلوچستان میں بھیجا گیا جب مسٹر بزنجو اور مسٹر مینگل کے لشکر پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے۔ اور انہوں نے عوام، پولیس اور اسکاؤٹ پر فائرنگ شروع کر دی تھی۔ اس صورت حال سے شہریوں میں انتہائی عدم تحفظ کا احساس پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے فوج کو بلوچستان میں یہ قدم اٹھانا پڑا۔

سقوط ڈھاکہ کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا یہ مسلمہ ہے کہ ایسے حالات میں جب کہ ملک میں فوجی حکومت ہو تو وہ اپنے معاملات میں سیاسی لیڈروں سے بات نہیں کرتی۔ مجیب کا مرکزی حکومت سے براہ راست رابطہ تھا۔ اور میں تجربہ کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ جب میں سابق مشرقی پاکستان میں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھا تو مشرقی پاکستان کے معاملات میں میرا مجیب سے رابطہ تھا اور مجیب کا یحییٰ خان سے رابطہ تھا۔ اس ضمن میں بھٹو صاحب کبھی درمیان میں نہیں آتے۔ سقوط ڈھاکہ

یحییٰ کو بھٹو نے
نہیں، ولی اور خان
قیوم نے مشورے
دیتے تھے!!

کا اگر کوئی ذمہ دار ہے تو وہ یحییٰ اور مجیب ہیں۔ یا پھر وہ لوگ جنہوں نے مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن سے پہلے یحییٰ خاں سے مشورے کئے۔ ان میں مسٹر ولی خاں اور مسٹر خان قیوم شامل ہیں۔ جو پندرہ مارچ سے تیس مارچ تک یحییٰ خاں کو مشورہ دیتے رہے۔ مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی ۲۵، ۲۶ مارچ ۷۱ء کو ہوئی۔ میں اس کا انچارج تھا۔ یحییٰ کی اس ایکشن کے بارے میں جو رائے تھی یا وہ خود اس میں کس حد تک دلچسپی لے رہے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کہا "ول ڈن ٹکا"، حالات بہتر ہو گئے ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ بھارت نے سیاسی افراتفری سے فائدہ اٹھایا اور مشرقی پاکستان میں حالات خراب کرنا شروع کر دیئے۔ اسی دوران مجھے جنرل یحییٰ کا سگنل آیا کہ حالات بہتر ہو گئے ہیں آپ واپس آجائیں ہم مشرقی پاکستان میں سول حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں میں واپس چلا آیا۔

مسٹر ٹکا خان نے سقوط ڈھاکہ اور مسٹر بھٹو کے خلاف غداری کے مقدمے کے بارے میں کہا کہ بھٹو پر غداری کا مقدمہ چلا تو میں ان کے دفاع کے لئے اہم ترین گواہ ہوں گا۔

مسٹر ٹکا خان کی توجہ جب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے اس بیان کی طرف مبذول کرائی گئی جس میں انہوں نے کہا تھا کہ چوتھا مارشل لاء پاکستان کے لئے تباہ کن ہو گا۔ تو انہوں نے کہا کہ بہتر یہی ہے کہ انتخابات جلد از جلد ہو تاکہ صورت حال عوام کے حق ہی میں رہے۔ آج ملک کی حالت یہ ہے کہ انتظامیہ مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ "بیوروکریسی" اپنی کردار ادا کر رہی ہے۔ سازشوں اور لوٹ مار کا "کردار" پہلے آٹا صرف مہنگا تھا لیکن اب سرے سے غائب ہی ہو گیا ہے۔ یہ آسمانی آفت نہیں بلکہ جب پوری انتظامیہ سیاسی معاملات میں الجھی ہوئی ہو اور اسے معاشی حالات سدھارنے کا وقت نہ مل رہا ہو تو ایسا ہوتا ہی ہے۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد جب میں نے فوج کی کمان سنبھالی تو بدگمانیوں کی بھرمار تھی۔ جناب بھٹو نے اپنی ذہانت تدبر اور بلند حوصلگی سے کام لیتے ہوئے مجھے جو ہدایات دیں اس سے میں اس قابل ہوا کہ فوج کا وقار بحال کر سکوں کسے پتہ ہے کہ چار سال تک شب و روز اور ایمانی جذبہ کے تحت ہم نے اپنی فوج کو پھر اسی مقام پر پہنچا دیا۔ جو دنیا کی اعلیٰ ترین افواج کا مقام ہے لیکن صرف دعا گو ہوں کہ ایک ماہ یا چند ماہ میں یہ وقار ختم نہ ہو جائے۔ عوام اور فوج ایک دوسرے کے مدمقابل نہ کھڑے ہو جائیں۔ لہٰذا میری دعا ہے کہ پاکستانی فوج سرخرو رہے اور عوام سربلند ہوں۔ فوج بیرکوں میں واپس چلی جائے اور حکمرانی عوام کو لوٹا دی جائے۔ اسی میں ہمارے ملک کی بقا ہے۔

مسٹر ٹکا خاں نے کہا کہ میں نے سیاست میں حصہ لینے سے حتی المقدور گریز کیا، سوا سال تک خاموشی اختیار کئے رہا۔ لیکن جب جناب بھٹو نے کہا کہ قوم کو میری ضرورت ہے تو میں نے سوچا کہ میں ان کے کہنے کو ٹالنے کی ہمت اپنے اندر نہیں رکھتا اور مسٹر بھٹو کو میری خدمات کی ضرورت ہے

(باقی صفحہ ۳۶ (ب) پر)

بھٹو کو "مثبت نتائج" نے ہی کوٹ لکھپت جیل تک پہنچا دیا ہے

سپریم کورٹ جاتے نظریہ ضرورت مثبت نتائج تک پہنچا جاسکتا ہے یا نہیں

مقدمہ قتل کا فیصلہ بھٹو کے حق میں ہو یا خلاف دونوں صورتوں میں سپریم کورٹ میں جائے گا۔ جسٹس مشتاق حسین

حسین نقی

مارچ کی آمد ہے اور ماہانہ سیاسی ناٹک شروع ہونے سے پہلے ہی جسٹس (ریٹائرڈ) شیخ شوکت علی نے تجویز کیا ہے کہ تین سال کے لئے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر خود صدر بن جائیں اور مختلف صوبوں کے مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ان صوبوں کے گورنر۔ انتخابات اس عرصہ میں بالکل نہ کرائے جائیں۔ حتیٰ کہ میونسپلٹیوں کے بھی انتخابات کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی ہمارے یہاں جمہوریت عرصہ دراز سے اس نچلی سطح تک نہیں اتری۔

ابھی ہفتہ ہی ہوا ہے کہ حنیف رامے نے بغیر پارٹیوں کے انتخاب کی تجویز پیش کی تھی اور اب اُن کے ذاتی دفتر کا ہر کارہ ایسا بیان دے گیا جس میں رامے صاحب کو نئی پارٹی بنانے کی تجویز کی گئی ہے۔

خیر یہ تو شامل باجوں کی باتیں ہیں۔ مارچ کے مہینہ میں جناب جنرل ضیاءالحق صاحب ماہانہ بریفنگ کریں گے اور قومی اتحاد اور اب اتحاد سے باہر ہونے والی پارٹی تحریکِ استقلال کے لیڈروں سے تبادلۂ خیالات فرمائیں گے۔ اس تقریب کے سلسلہ میں قومی اتحاد کی ماہانہ میٹنگ ہوگی۔

لیکن مارچ کی پہلی تاریخ پیپلز پارٹی کی بھی ایک میٹنگ ہوئی ہے اور یہ مولانا کوثر نیازی صاحب کی مشکل حل کرنے میں مدد کر سکتی ہے کیونکہ ایسے موقعوں پر وہ عموماً بیمار ہو جاتے ہیں اور ان کے دانتے، پھوڑے وغیرہ نکل آتے ہیں۔ لیکن مارشل لا آرڈر ۴۸ کے بعد اب مولانا کو یہ تکلیف لاحق نہیں رہی۔

اگرچہ میری نظر میں مولانا صاحب کو کبھی کوئی مشکل نہیں رہی کیونکہ موصوف شرطیہ علاج جاننے والے حکیموں کے ہمیشہ ہی قریب رہتے آئے ہیں۔ پیپلز پارٹی کے لئے البتہ مارچ کا مہینہ بہت اہم ہے اور اسے اپنے آئندہ لائحہ عمل کے متعلق بعض زیادہ اہم موضوعات پر غور کرنا چاہیئے میری نظر میں وہ موضوعات ہیں۔

۱۔ الیکشن کے متعلق جنرل ضیاءالحق صاحب کا تازہ ترین بیان۔

۲۔ بھٹو صاحب کے مقدمہ کے فیصلہ کے بعد مسٹر مسٹر بھٹو کی دفاع کی تیاری۔

۳۔ پارٹی کی قیادت میں غیر فعال عنصر کے متعلق اقدامات۔

جہاں تک انتخابات کا تعلق ہے، جنرل صاحب نے نوّے ۹۰ دن کے آپریشن فیئر پلے کو اپنے بیان کی روشنی میں لامتناہی دوام بخش دیا ہے۔ اب انتخابات اسی وقت

کارکن بھٹو کو لیڈر مانتے ہیں، "بے نظیر" "بھٹو" بھی ہیں

ٹکا خان کا کوثر نیازی کے خلاف مورچہ

پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس کی تاریخ یکم مارچ مقرر کی گئی ہے۔ اجلاس ہونے کی صورت میں اور باتوں کے علاوہ بیگم نصرت بھٹو، شیخ رشید اور بعض دیگر رہنماؤں کے نااہل قرار دیئے جانے کے بعد صورت حال کے پیش نظر قائم مقام چیئرمین کے انتخاب اور مولانا کوثر نیازی کے اخراج پر بھی غور کیا جائے گا۔ فی الحال پیپلز پارٹی سندھ کے صدر غلام مصطفےٰ جتوئی کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح بیچ بچاؤ ہو جائے اور مولانا کا اخراج عمل میں نہ آسکے۔ جس کی تجویز پی پی پنجاب کے مختلف رہنماؤں کی جانب سے آئی ہے۔

بعض حلقے اس بات کا بھی ٹپ دے رہے ہیں کہ پیپلز پارٹی کا قائم مقام چیئرمین ریٹائرڈ جنرل ٹکا خان کو بنایا جائے گا، مگر خود ٹکا خان نے اپنے ایک بیان میں اس بات کی تردید کی ہے کہ وہ یہ عہدہ قبول نہیں کریں گے۔ مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس میں مس بے نظیر بھٹو کو بھی، اُن کی خدمات کے پیش نظر کوئی اہم عہدہ دیا جائے گا۔

جنرل ٹکا نے ایک نجی محفل میں بتایا کہ وہ سیاست میں بھرپور طریقے سے حصہ لیں گے۔ انہوں نے مولانا کوثر نیازی پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا: "مولوی کو شرم آنی چاہیئے۔ وہ اپنے محسن کو بھول گیا، حالانکہ بھٹو صاحب نے اُسے زمین سے آسمان پر پہنچایا تھا۔"

اِدھر کوثر نیازی گروپ غلام مصطفےٰ جتوئی کو قائم مقام چیئرمین بنانے کی تگ و دو میں مصروف ہے۔ مگر پورے ملک کے کارکنوں اور عہدیداروں کی شدید مخالفت کی بنا پر جتوئی اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ وہ اس تجویز سے اتفاق کریں۔

کچھ سیاسی حلقوں کے مطابق مولانا کوثر نیازی کے حالیہ اقدام کا مقصد پیپلز پارٹی کی قیادت پر مصلحت پسند گروپ کا تسلط قائم کرنا ہے، تاکہ حکومت سے سمجھوتے کی راہ ہموار ہو سکے۔ اور کوٹ لکھپت جیل میں مقید مسٹر بھٹو کو حکومت سے مصالحت کرنے پر مجبور کیا جا سکے۔

ہوں گے جب نتائج مثبت یعنی اُن کی رائے بلکہ اُن کے ساتھیوں کی رائے کے مطابق بھی نکل سکیں۔

مثبت نتائج کی تلاش ہمارے پچھلے ایک سال کے تجربہ میں کچھ عجیب سی ہوتی ہے۔ آپ کو تو پتہ ہی ہے کہ مثبت نتائج سے لیس ہو کر بھٹو صاحب آج کل کوٹ لکھپت جیل میں مقیم ہیں۔ بہرحال یہ تو ضمنی بات تھی مسئلہ یہ ہے کہ انتخابات کے سلسلے میں پیپلز پارٹی کے موقف کا کیا بنے گا۔ "بابائے سوشلزم" کے لقب پر خوش ہونے والے شیخ رشید کتنا ہی زور سے چلائیں اور بیگم نصرت بھٹو اور پارٹی کے دیگر "انقلابی" جو مرضی آئے دعوے کریں۔ حقیقت یہی ہے کہ پیپلز پارٹی ایک "انتخابی" پارٹی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا موقف یہ ہے کہ انتخابات جلد از جلد بلکہ فوری طور پر کرائے جائیں۔ جب سے پیپلز پارٹی کا یہ نعرہ ہے۔ احتساب یا انتخاب، انتخاب، انتخاب، اور یہ درست نعرہ ہے۔ باقی نعرہ بازی کی بات ہے سوال اب یہ ہے کہ یہ انتخاب کیسے ہوں۔ ایک راستہ تو یہی ہے کہ جناب جنرل ضیاالحق صاحب جب مطمئن ہوں گے کہ مثبت نتائج برآمد ہوں گے تو خود ہی انتخاب کرا دیں گے

نظریہ ضرورت، اس حد تک کھینچا جا سکتا ہے، یہ سپریم کورٹ جانے۔ کہ ہم قانون پسند تو ہیں لیکن قانون دان نہیں لیکن ایک سیاسی پارٹی کے ناطے پیپلز پارٹی کے لئے اس مرحلے پر اپنے موقف کے سلسلے میں چند بنیادی اقدامات پر عمل ضروری ہوگا۔ وہ یہ کہ پیپلز پارٹی کے علاوہ جتنی پارٹیاں فوری انتخاب کا مطالبہ کر رہی ہیں اور وہ تمام گروہ اور تنظیمیں جو فوری انتخابات کو ملک کے اعلیٰ ترین مفاد میں ضروری سمجھتی ہیں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہوں۔

چونکہ یہ مقصد سب سے زیادہ پیپلز پارٹی کے اپنے مفاد میں ہے لہٰذا اسے اس سلسلے میں پہل کرنی چاہیئے اور ان تمام عناصر کو جو فوری انتخاب کرانے کے حق میں ہوں دعوت دینا چاہیئے تاکہ وہ ایک مشترکہ لائحہ عمل ترتیب دے سکیں۔

میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ پیپلز پارٹی اس ضمن میں پہل کرنے سے کیوں ہچکچاتی ہے کہ اس جمہوری اور دستوری حق کے لئے مشترکہ لائحہ عمل محض اسی طرح ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ پھر اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں شامل ہونے والی دوسری سیاسی جماعتوں، گروہوں اور پیشہ ورانہ تنظیموں اور انفرادی طور پر ان تمام افراد کو احساس شراکت ہوگا۔ اور پھر جمہوری حقوق اور دستوری حق کے لئے نہ محض پیپلز پارٹی بلکہ تمام پارٹیوں، گروہوں اور تنظیموں پر یہ قومی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کہ وہ قانونی جدوجہد کریں۔

اس طرح عوام کے غیر فعال عناصر کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس ہوگا۔ اور قوم میں موجود مایوسی اور پاکستان کے مستقبل کے ضمن میں طرح طرح کی قیاس آرائیوں کا بھی سدباب ہوگا۔

دیکھنا یہ ہے کہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت ہونے کے ناطے پیپلز پارٹی پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ اسے پورا کرتی ہے یا نہیں۔

جہاں تک بھٹو پر قتل کے مقدمہ کا تعلق ہے وہ تقریباً فیصلے کے قریب ہے۔ مارچ میں یقیناً اس کا فیصلہ ہو جائے گا لیکن جیسا کہ عدالت کے سربراہ جناب جسٹس مولوی مشتاق حسین صاحب نے دوران سماعت کہا ہے یہ فیصلہ بھٹو صاحب کے حق میں ہو یا خلاف۔

(باقی ص ۳۸ پر)

اسلام آباد

حمید شیراز

عوام کی مرضی کے خلاف کوئی حکومت نہیں چل سکے گی

مولانا نیازی، مودودی سے ایوب، پھر بھٹو اور اب -----

ملک میں عام انتخابات کب ہوں گے۔ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے سب بے چین ہیں۔ عبوری حکومت کے سربراہ جنرل ضیاء الحق نے سبی میں گورنر بلوچستان کے استقبالیہ کے جواب میں کہا ہے کہ جب تک عبوری حکومت کو مثبت نتائج حاصل ہونے کا یقین نہیں ہو جائے گا اس وقت تک انتخابات نہیں کرائے جائیں گے۔ مثبت نتائج کیا ہو سکتے ہیں ہم اس بارے میں الفتح میں لکھ چکے ہیں۔ کہ اگر عوام کی مرضی کے خلاف کوئی حکومت بنائی گئی تو ایسی حکومت زیادہ دن نہیں چل سکے گی۔ سیاسی جماعتوں میں جو دائیں بائیں کی تقسیم ہے اس کے بارے میں جنرل ضیاء الحق نے واضح اعلان کر دیا ہے کہ بائیں بازو کے افراد اور جماعتوں کو اپنا رویہ تبدیل کر لینا چاہیے۔ وہ اس قسم کے افراد کو ملک کی آبادی کا ناقابل ذکر تناسب قرار دیتے ہیں۔ ہمیں جنرل ضیاء الحق صاحب کی نیت پر شبہ نہیں ہے اور ہم ان کا بے حد احترام کرتے ہیں مگر ایک سوال کرنے کی ضرور جسارت کریں گے۔ کہ اس وقت ملک میں دائیں بازو کی جو جماعتیں موجود ہیں ان میں سے وہ کس جماعت کے بارے میں ایمانداری سے محسوس کرتے ہیں کہ یہ جماعت اسلامی جمہوریہ پاکستان کی زمام اقتدار سنبھالنے کے قابل ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جنرل صاحب کا جواب صرف یہ ہے کہ کوئی بھی جماعت ایسی نہیں ہے جسے انتخابات میں اتنی اکثریت حاصل ہو کہ اقتدار اس کے حوالے کیا جا سکے۔ اب اگر ان حالات میں ہم یہ نتیجہ اخذ کریں کہ جنرل صاحب کو مثبت نتائج کی توقع عبث ہے تو غلط بات نہیں ہوگی مثبت نتائج حاصل نہیں ہونگے پھر اس کے لئے طویل عرصہ تک انتظار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اگر آج انتخابات کا اعلان کر بھی دیا جائے تو پاکستان قومی اتحاد کی تو کسی جماعت کے اکیلے یا اجتماعی طور پر اکثریت حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کے لیڈروں کی ٹانگیں مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ کرسی پر بیٹھنا تو کوئی کمال نہیں ہے کمال یہ ہے کہ ساری صورتحال کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ہو اور یہ صلاحیت پاکستان قومی اتحاد کی ساری قیادت میں نہیں ہے۔ لے دے کر باقی رہ جاتی ہیں پاکستان پیپلز پارٹی اور تحریک استقلال جیسی سیاسی جماعتیں جن کا اکثریت میں آنا عبوری حکومت کے لیے منفی نتائج کے برابر ہوگا۔

جنرل ضیاء الحق نے راولپنڈی میں سیرت کانفرنس کے افتتاح کے بعد اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ان کا مقصد احتساب ہوتا ہے۔ وہ صرف خدا کے حضور جوابدہ ہیں۔ ہمیں جنرل ضیاء الحق صاحب کی ایمانداری پر

پر بخدا کوئی شک نہیں ہے مگر یہاں عبوری حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے جنرل ضیاء الحق صاحب کے ساتھیوں کا کردار زیر بحث ہے۔ جنرل صاحب یہ بات بخوبی سمجھتے ہیں کہ سربراہ کے کھاتے میں نہ صرف اس کے بلکہ اس کے ساتھیوں کے کارنامے بھی پڑ جاتے ہیں۔ کہ آج کل وہ یہی کام کر رہے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق صاحب اپنے کردار کی تو ضمانت دے سکتے ہیں۔ اور ہم خود بھی ان کے صاحب کردار ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر کیا یہی بات جنرل ضیاء الحق صاحب اپنے دوسرے ساتھیوں کے بارے میں بھی کر سکتے ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ جنرل ضیاء الحق صاحب نے اس روز بات چیت کے دوران اخبار نویسوں کو ایک حکایت سنائی۔ یہ حکایت ہم سنانا نہیں چاہتے۔ مگر اس کی روشنی میں جنرل ضیاء الحق صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ جب وہ اس حکایت پر یقین رکھتے ہیں تو اپنے ساتھیوں کے بارے میں اس حکایت کی روشنی میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جنرل ضیاء الحق نے یہ حکایت اس بات پر سنائی کہ دنیا میں ہر شخص کی قیمت لگ سکتی ہے۔ اب یہ بکنے والے اور خریدنے والے منحصر ہے کہ وہ کتنی قیمت پر بکتا ہے اور خریدنے والا یہ قوت رکھتا بھی ہے یا نہیں۔ جنرل ضیاء الحق صاحب کی اس بات سے ہمیں مکمل اتفاق ہے اور ہر شخص کو اتفاق ہونا چاہیے۔ مگر دوسروں کو یہ جواز نہیں بنا لینا چاہیے کہ چونکہ جنرل ضیاء الحق اس بات پر یقین رکھتے ہیں اس لیے ان کو بک جانا چاہیے کیونکہ اگر خریدنے اور بکنے کا یہ سلسلہ سر عام شروع ہو گیا تو بہت لوگوں کی قیمت عوام کو معلوم ہو جائے گی۔ اور بکنے والے کو شرمندگی ہو نہ ہو عوام کو ضرور ہو گی۔ کہ فلاں صاحب اس قدر کم قیمت پر کیوں بک گئے

بہرحال جنرل ضیاء الحق صاحب کو ہمارا صرف یہی مشورہ ہے کہ وہ از راہ کرم اپنے ان خیالات کی روشنی میں اپنے ساتھیوں کا اور دوسرے ایسے افراد کا جو بہت زیادہ بااختیار ہیں ضرور جائزہ لیتے رہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے سیکرٹری اطلاعات مولانا کوثر نیازی کی بلی تھیلے سے باہر نکل آئی ہے مولانا کوثر نیازی کا کردار پاکستان پیپلز پارٹی میں بڑا عجیب و غریب رہا ہے جب یہ پارٹی اقتدار میں تھی تو انہوں نے ایسا چکر چلایا کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے تمام پرانے ساتھی اور وہ لوگ

(باقی صـ۳۷ پر)

ملتان

ناصر زیدی

چار ماہ میں دو بار نیازی مزاری ملاقات ہو چکی ہے

مجھ سے کوثر نیازی نے ملاقات کی تھی، اصغر خان

بیگم نسیم ولی خاں نے نیازی کی شمولیت کا انکشاف کارکنوں کے اجلاس میں کیا تھا

ان دنوں کوثر نیازی سیاسی حلقوں میں موضوع بحث ہیں۔ پیپلز پارٹی کے اقتدار سے جلاوطن ہونے کے بعد "قومی اتحاد" میں شامل تمام پارٹیوں کا اندازہ یہی تھا کہ بھٹو کے جانے کے بعد اس کی پارٹی بھی منتشر ہو جائے گی۔ اور اس طرح بھٹو کو سیاسی شکست دینا آسان ہو جائے گا لیکن بعد کے حالات میں غیر دانشمندانہ فیصلوں نے بھٹو کو ایک سیاسی قوت کے طور پر ابھرنے کا بھرپور موقع دیا اور انہی کی بدولت آج پیپلز پارٹی پاکستان کی سیاست میں انتہائی مؤثر قوت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ پارٹی کی قیادت میں آج بھی مختلف طرز کے موقع پرست عوام کے دباؤ کو منتشر کرنے کے درپے ہیں۔ ان مصلحت پسند رہنماؤں کو کٹھ پتلیوں کی طرح نچوایا جا رہا ہے۔ اور کوثر نیازی نا چنے والوں میں سب سے آگے ہے۔ جن کے بارے میں اب یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ مولانا جب سے پیپلز پارٹی میں آتے ہیں اس وقت سے ہی برسراقتدار نوکر شاہی کے ایک گروہ کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ بھٹو صاحب بھی اس بات کو بخوبی جانتے تھے اور پارٹی کی مرکزی قیادت کے علم میں بھی یہ بات تھی۔ یحییٰ خان کے زمانے میں جب مرکزی کمیٹی کے ایک اجلاس میں نیڈاے سلہری صاحب بھی تشریف لائے تو کمیٹی کے کئی ارکان نے شدید احتجاج کیا تو بھٹو صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ "اب تک ایک مولانا خبریں یحییٰ تک پہنچاتا ہے تو آج اگر یہ بھی خبریں پہنچا دے گا تو کیا فرق پڑ جائے گا۔"

آج پھر پارٹی آزمائشوں کے امتحان میں پڑی ہوئی ہے۔ فوجی حکومت پارٹی کی ہائی کمان کو نا اہل قرار دینے پر تلی ہوئی ہے۔ پارٹی کے سینکڑوں کارکن جیلوں میں بند ہیں۔ کوڑے کھا رہے ہیں۔ نچلی سطح کا کوئی بھی کارکن مصلحت کا راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں لیکن کوثر نیازی مصلحت کی راہ اپنا کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اسی صورت میں ہی شاہ کی بھرپور خدمت کی جا سکتی ہے۔ مولانا نے اپنی موقع پرستانہ سیاست کی پہلی چال پارٹی کی قیادت پر قبضہ کرنے کی منصوبہ بندی کے طور پر استعمال کی۔ لیکن انہیں منہ کی کھانی پڑی اور بیگم نصرت بھٹو پارٹی کی قائم مقام چیئرمین نامزد ہو گئیں جب پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے یوم جمہوریت منانے کا اعلان کیا اور بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو نے رابطہ عوام کی مہم شروع کی اور اس مہم میں پارٹی کارکنوں نے بھرپور انداز میں شمولیت کی تو مولانا نے ایک دفعہ پھر کارکنوں میں بددلی اور مایوسی پیدا کرنے کی کوششیں کیں اور برملا یہ اعلان کیا کہ یوم جمہوریت پر صرف مسجدوں میں دعائیں مانگی جائیں لیکن خود انہیں کسی مسجد میں جانے کی توفیق نہ ہوئی۔ بھٹو کے تاحیات چیئرمین ہونے پر اختلاف کیا لیکن ان تمام حربوں کے باوجود جب پارٹی کی قیادت اور کارکنوں نے ان کے یہ تمام حربے ناکام بنا دیئے تو مولانا نے دوسرے مرحلے میں اپنی سازشی سیاست کا آغاز اس طرح کیا کہ انہوں نے قومی اتحاد میں شامل چند جماعتوں اور تحریک استقلال سے گفت و شنید کا سلسلہ شروع کر دیا۔ شروع میں تحریک استقلال کیونکہ پہلے نمبر کے طور پر ابھاری گئی تھی۔ اس لیے مولانا نے بھی ان "خفیہ ہاتھوں" کے کہنے پر جنہوں نے اصغر خان کو بھٹو کی جگہ پر کرنے کے لیے گھوڑا بنایا تھا سے تحریک میں شمولیت کے لیے بات چیت شروع کی۔ اصغر خان نے ملتان میں اپنے حالیہ دورہ میں اس بات کی تصدیق بھی کی تھی لیکن جب اصغر خان اس خلا کو پر نہ کر سکے تو مولانا کی ڈوری بھی کھینچ لی گئی۔ ولی خان سے سمجھوتا ہو جانے کے بعد جب حیدرآباد ٹریبونل کو توڑ کر ولی خان کو رہا کیا گیا تو "خفیہ ہاتھوں" کا مقصد یہی تھا کہ کیونکہ ولی خان بھٹو کے دور میں نظر بند رہے ہیں اور اپنے سیاسی اصولوں کی وجہ سے عوام میں مقبول بھی ہیں۔ وہ اس سیاسی خلا کو پر کر سکیں گے۔ جو بھٹو کے جیل جانے کے بعد پیدا ہوا ہے۔ سرحد، بلوچستان میں کسی حد تک ولی خان موجود تھے لیکن پنجاب میں ولی خان کی سیاسی حیثیت نہ ہونے کے برابر تھی اور اب مارشل لاء کی اندھی حمایت سے جو تھوڑی بہت حیثیت تھی وہ بھی ختم ہو گئی ہے۔ پنجاب میں ولی خان کی سیاسی ساکھ بنانے کے لیے ان کی رہائی کے فوراً بعد ہی منصوبہ بندی شروع ہو گئی تھی۔ اور اب اس پر سلسلہ وار عمل شروع ہو چکا ہے۔ کوثر نیازی اندرون خانہ چار ماہ کے دوران دو دفعہ شیر باز مزاری سے راولپنڈی میں ملاقات کر چکے ہیں اور ان ملاقاتوں کا اہتمام میر افضل خان نے کیا تھا۔ پہلی ملاقات مولانا کی اسلام آباد والی کوٹھی میں ہوئی تھی اور دوسری شیر باز مزاری کی قیام گاہ پر۔ جن ذریعوں نے ان ملاقاتوں کا انکشاف کیا ہے ان کے مطابق کوثر نیازی اور این ڈی پی کے درمیان مفاہمت کچھ آگے بڑھی ہے۔ اگر کوثر نیازی این ڈی پی میں شامل ہو گئے تو انہیں این ڈی پی کی اعلیٰ قیادت میں شامل کیا جائے گا تاکہ این ڈی پی قومی سطح کی پارٹی کے طور پر ابھر سکے۔ سمجھوتہ ہو چکا ہے۔ اب مولانا کوثر نیازی اس پر بتدریج عملدرآمد کریں گے۔ بشرطیکہ خفیہ ہاتھ اپنی ڈوری کسی اور طرف نہ موڑ لے۔ ملتان میں بیگم نسیم ولی خان نے کوثر نیازی کے این ڈی پی میں شمولیت کے فیصلے کا بروقت اعلان کر کے مولانا کو ذہنی کرب میں مبتلا کر دیا ہے۔ کیونکہ بقول مولانا یہ اس اعلان کا مناسب موقع نہ تھا۔ باوثوق ذرائع کے مطابق مولانا نے میر افضل خان کے ذریعے اپنی ناراضگی کا اظہار بھی کیا ہے۔ بیگم ولی خاں نے یہ انکشاف کارکنوں کی میٹنگ میں کیا تھا۔ اس پر کارکنوں نے احتجاج بھی کیا تھا اور بیگم صاحبہ پر یہ بات واضح کی تھی کہ کارکن مولانا کی شمولیت کو کسی صورت میں قبول نہیں کریں گے۔ بیگم نسیم ولی خاں نے کارکنوں سے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ ہم کوثر نیازی کو مجبوری کے طور پر قبول کر رہے ہیں۔ اس اعلان کے چند گھنٹوں بعد ہی بیگم صاحبہ کو تردید جاری کرنی پڑی۔ ایسا کیوں کیا گیا کچھ پتہ نہیں لیکن آہستہ آہستہ سب کچھ منظر عام پر آ جائے گا۔ کہ این ڈی پی اور کوثر نیازی کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ ہر چند کہ مولانا نیازی بھی تردید کر چکے ہیں لیکن حقیقت اپنی جگہ پر ہے۔ ▒▒

پہلے ایک اعلیٰ اور اہم شخصیت سے ملاقات، پھر پریس کانفرنس

غیبوں کی ڈائری

بے نظیر نے بڑے بڑے پیروں کو مات کر دیا!

پچھلے دنوں دو اہم واقعات رونما ہوئے۔ مس بے نظیر بھٹو کا دورہ سندھ اور پاکستان پیپلز پارٹی کے آئندہ قائم مقام چیئرمین کے بارے میں بحث اور اختلافات کی کھلی منادی، بے نظیر کے سندھ کے دورے کے اثرات سیاسی سطح پر نمایاں نظر آ رہے ہیں۔ ان کا دورہ پی پی کے لئے اتنا کامیاب ثابت ہوا کہ حکومت کو مجبوراً مداخلت کر کے ان کی سرگرمیوں کو کراچی تک محدود کرنا پڑا۔

بے نظیر کا سندھ میں جو تاریخی استقبال ہوا۔ اس کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ہر جگہ لوگوں نے بھٹو خاندان سے عقیدت اور روایتی مہمان نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے نظیر کو سونے کے زیورات، ریشمی کپڑے، اجرکیں اور نقد تحائف دیئے۔ تحائف دینے والوں میں غریب اور امیر دونوں شامل ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق انہیں سیروں سونا (زیورات کی شکل میں) کچھ ریشمی کپڑوں کی کئی پیٹیاں اور کئی سو اجرکیں ملی ہیں۔ ایک صاحب نے اس پر دلچسپ تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "بے نظیر بڑے بڑے پیروں کو مات دے گئیں۔ اگر پیر پگارا پورے سندھ کے مریدوں کے پاس جائیں تو انہیں بھی اتنے تحائف اور وہاں عقیدت مندوں کی طرف سے دیئے جانے والے تحائف) نہیں مل سکتا۔" ان تحائف کے پیچھے دو جذبے کارفرما تھے۔ ایک تو بھٹو خاندان سے عقیدت اور محبت کا اظہار، دوئم سندھ کی روایت ہے کہ جب کسی کے پاس کوئی غیر شادی شدہ لڑکی جسے سندھی زبان میں "نیانی" کہتے ہیں، جاتی ہے تو اس کی عزت افزائی کے لئے تحائف دیئے جاتے ہیں۔

مس بے نظیر کے دورے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ جہاں بھی گئیں، وہاں مردوں کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں پردہ دار عورتوں کے اجتماعات سے بھی خطاب کیا۔ سندھ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ پردہ نشین اور گھریلو عورتوں نے سیاسی جلسوں میں شرکت کی اور ان کی سیاسی تربیت ہوئی بلاشبہ ان کے کامیاب دورے کا سہرا کسی حد تک پی پی سندھ کے نائب صدر مخدوم خلیق الزماں کے سر ہے، جو اس پورے دورے میں قدم بہ قدم بے نظیر کے ساتھ رہے۔ پیپلز پارٹی سندھ کی قیادت اور کارکن کافی عرصہ سے پی پی سندھ کے صدر غلام مصطفیٰ جتوئی سے توقع رکھے ہوئے تھے کہ وہ کارکنوں سے رابطے کی مہم پر نکلیں گے، مگر وہ ہر بار پروگرام کا اعلان کر کے اسے منسوخ کر دیتے۔ آخر کار بے نظیر اور مخدوم خلیق الزماں کو دورہ کرتے دیکھ کر وہ بھی ساتھ لگ گئے۔

دوسرا اہم واقعہ وہ مباحثہ ہے جو اس بات پر شروع ہوا کہ بیگم نصرت بھٹو کے نااہل قرار دیئے جانے کی صورت میں پی پی کا آئندہ قائم مقام چیئرمین کون ہوگا۔ یہ مباحثہ پی پی کے سیکرٹری اطلاعات مولانا کوثر نیازی کی طرف سے شروع کیا گیا، جنہوں نے کچھ دن پہلے راولپنڈی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ پی پی کو ایک خاندان کی "لمیٹڈ کمپنی" بننے نہیں دیا جائے گا۔ پریس کانفرنس سے قبل مولانا کراچی آئے اور یہاں کچھ دنوں قیام کیا۔ اس دوران عام کارکنوں سے ملاقات کرنے کی بجائے پی پی کے چند رہنماؤں کے مطابق پراسرار سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ان سرگرمیوں کو کوآرڈی نیٹ کرنے کا فرض پی پی کراچی کے ایک رہنما نے ادا کیا۔ مولانا کی زاہر القاسمی اور ضیاء عباس اور دیگر لوگوں سے ملاقات کرائی گئی۔ علاوہ ازیں جتوئی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی جو اس وقت بالائی سندھ کے دورے پر تھے۔ جتوئی نے دورہ منقطع کر کے کراچی پہنچنے کی یقین دہانی کرائی۔ اس مقصد کے تحت وہ اپنے آبائی گاؤں نواں جتوئی پہنچ گئے۔ اور پروگرام کے مطابق انہیں دوسرے دن کراچی پہنچ کر مولانا کوثر نیازی سے ملاقات کرنی تھی، مگر اس اثنا میں بے نظیر بھٹو جو سندھ کے دورے پر تھیں، نواب شاہ ضلع میں داخل ہو چکی تھیں۔ جتوئی صاحب، جن کے بارے میں پہلے ہی اندرون سندھ بھٹو سے وفاداری کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہو چکے تھے، یہ افورڈ نہیں کر سکتے تھے کہ وہ نواب شاہ کو بے نظیر کے حوالے کر کے کراچی چلے جائیں انہوں نے ٹیلی فون پر مولانا کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ دونوں حضرات نے اس بات پر اتفاق کیا کہ فی الحال کراچی میں ملاقات کو ملتوی کیا جائے تاہم ٹیلی فون ہی پر لائن آف ایکشن طے کر لیا گیا۔ کچھ حلقوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ مولانا کوثر نیازی خفیہ طور پر نواں جتوئی گئے اور جتوئی سے صلاح مشورے کئے۔ طے شدہ منصوبے کے تحت پی پی کی ایک شخصیت کو لاہور بھیجا کہ وہ بیگم بھٹو سے مل کر ان کے گروپ کا موقف معلوم کریں اور خود راولپنڈی روانہ ہو گئے۔ روانگی سے قبل کراچی کی ایک نیوز ایجنسی کے ذریعہ یہ خبر کمریڈ کرائے گئے کہ پی پی میں بے نظیر بھٹو کو قائم مقام

(باقی صفحہ ۲۵ پر)

پیپلز پارٹی دو دھڑوں میں تقسیم ہو جائیگی؟

نواب زادہ نصر اللہ خاں

قومی اتحاد کے اکلوتے جمہوریت پسند رہنما

شبیہ الحسن

کراچی سے میں موسم سرما کے خوشگوار اور ٹھنڈے دن رخصت ہو گئے۔ اسلام آباد میں بریف ہونے کے بعد مولانا کوثر نیازی کی پریس کانفرنس کی تفصیلات نے سیاسی موسم کو گرم کرنے میں خاصا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان دنوں کراچی کے سیاسی حلقوں میں جہاں جائیے جس جگہ بیٹھیے۔ مولانا کی پریس کانفرنس موضوع بحث ہے۔ ان کے موقف کی صداقت سے کسی کو انکار نہیں لیکن عام خیال یہی کہ چونکہ اسلام آباد کا سرکاری حلقہ نہیں چاہتا کہ مسٹر بھٹو اور بیگم نصرت بھٹو کو نااہل قرار دیئے جانے کی صورت میں بے نظیر بھٹو کو قائمقام چیئرمین بنایا جائے۔ اس لیے مولانا کے ذریعہ لائن دی گئی کہ اگر ایسا کوئی موو ہوا تو پارٹی دو دھڑوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ سرکاری حلقے اور خود مولانا کوثر نیازی اس خوف میں مبتلا ہیں کہ بے نظیر کی قیادت میں پیپلز پارٹی کے سارے ملیٹنٹ کارکن جمع ہو جائیں گے۔ یہ بات موجودہ حکومت اور پارٹی کے دائیں بازو کے سیاستدانوں کے حق میں خطرناک ہو گی۔ سیاسی حلقوں کا کہنا ہے کہ بے نظیر کی مخالفت میں ذاتی اغراض اور بدنیتی کا بھی دخل ہے۔ مولانا خود چیئرمین بننے کا عرصہ دراز سے خواب دیکھ رہے ہیں۔ لیکن بقول ان کے بھٹو کی "لمیٹڈ کمپنی" ان کے راستے کی دیوار بن گئی۔ بیرونی ممالک کی ایک ماہ کی سیر و سیاحت اور آب و ہوا کی تبدیلی کے بعد جب یہاں پہنچے تو انہیں مس بے نظیر کو قائم مقام چیئرمین بنا مزدکرنے کی افواہ سے پارٹی کی قیادت اور ورکنگ پر شبخون مارنے کا سنہری موقعہ مل گیا۔ کہا یہی گیا ہے کہ اسلام آباد میں اسلام کے عظیم علمبردار سے ملاقات کے بعد پریس کانفرنس کی ضرورت محسوس کی گئی۔ حالانکہ یہ پارٹی کا اندرونی معاملہ تھا اور جیسا کہ پارٹی کے سینئر نائب صدر شیخ رشید نے فرمایا، "اس بات پر مرکزی مجلس عاملہ میں غور کیا جا سکتا تھا" لیکن مولانا جو پارٹی کے بنیادی رہنما ہونے کے دعویدار بھی ہیں اور اس سے قبل پارٹی کے معاملات کو پبلک پلیٹ فارم پر لانے کے سخت سے مخالف رہے ہیں، خود ایک ایسا معاملہ عوامی سطح پر لے آئے جو فی الحال ایک افواہ کی صورت گردش کر رہا تھا۔ پھر کراچی اور لاہور کے چند اخبارات اور سرکاری ثروت پر پلنے والے ہفت روزے مولانا اور ان کے ہمنواؤں کو جس انداز میں "جمہوری گروپ" قرار دینے پر تلے ہوتے ہیں اس سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے کہ مولانا کس کے اشارے پر بلیوں اچھل کود رہے ہیں۔

مولانا نے اپنی پریس کانفرنس میں ایک زہریلا تیر بھی چھوڑا ہے کہ اگر پنجاب سے قائمقام چیئرمین کے لیے کوئی موزوں شخص نہیں مل رہا تو پھر سندھ ہی سے کسی شخص کو قائمقام چیئرمین بنا دیا جائے۔ مولانا کی اس تجویز پر شیخ رشید اور غلام حسین نے شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے صوبائی عصبیت قرار دیا ہے۔ ہماری اطلاعات یہ ہیں کہ مولانا خود قائمقام چیئرمین بننے کے چکر میں ہیں۔ لیکن پنجاب میں شیخ رشید جیسے مقبول، مخلص اور ایماندار رہنما کی موجودگی میں ان کی دال گلتی نظر نہیں آ رہی ہے لہذا انہوں نے سندھ سے جتوئی کو قائمقام چیئرمین بنانے کی لائن دی ہے۔ سیاسی حلقوں کے مطابق اسلام آباد کی خواہش ہے کہ پارٹی کی قیادت مولانا کے ہاتھوں میں آ جائے اور اگر وہ کسی وجہ سے کامیاب نہیں ہو پاتے تو کم از کم جتوئی کو قائمقام چیئرمین بنا دیا جائے کیونکہ ان سے معاملات نمٹانے میں کافی آسانی رہے گی۔

مولانا نے اصغر خان پر بھی بڑی چوٹیں کی ہیں۔ اچھا ہے اس طرح اندر کی باتیں باہر آ رہی ہیں اور قوم کو نظام مصطفےٰ کے پاکباز رہنماؤں کے مکروہ چہرے دیکھنے کا موقع مل رہا ہے۔ مولانا نے پیپلز پارٹی کے دور اقتدار میں اسلام کی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ مگر انہوں نے دین کی خدمت میں دنیا کو فراموش نہیں کیا۔ اور اسلام آباد میں بقول ان کے آٹھ لاکھ روپے کی لاگت سے کوٹھی کی تعمیر یاد رہا۔ رہ گئے اصغر خان تو ان کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہا جائے کہ ریٹائرڈ ائر مارشل ہیں۔ فوج کے آدمی ہیں ٹھیک انہیں نہیں ملے گا تو پھر کسے ملے گا۔ نجانے اور کتنے لوگ اس قسم کے ٹھیکوں پر گلچھرے اڑا رہے ہیں۔ یہاں تھیٹے کو تو ال تو ڈر کاہے کا۔ ہاں ایک بات ضرور ہے یار لوگ تو بال کی کھال نکالتے ہیں۔ انہیں یہ تجسس ضرور ہے کہ مولانا کو اصغر خان کی بینکنگ کی اتنی ڈھیر ساری تفصیلات، اعداد و شمار اور اندرونی کہانیاں کہاں سے اور کس نے فراہم کیں؟ تو جناب اس کا جواب مولانا ہی دے سکتے ہیں۔

پی ڈی پی کے رہنما نوابزادہ نصر اللہ خان ان دنوں سندھ کا دورہ کر رہے ہیں۔ ہمارے ذرائع کے مطابق اب تک سندھ میں اتحاد کے جتنے رہنما دورہ کر چکے ہیں ان میں سب سے زیادہ کراؤڈ نصر اللہ خان نے حاصل کیا۔ ان میں بے نظیر بھٹو شامل نہیں ہیں کہ ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ جہاں گئیں لوگوں نے اپنی بیٹی کی طرح سواگت کیا۔ قومی اتحاد کے دیگر رہنماؤں کے مقابلہ میں نصر اللہ خان کے بارے میں خیرسگالی کے جذبات کی سب سے بڑی وجہ ان کا جمہوری انداز فکر ہے۔ دوسرے رہنما تو مارشل لا رجیم کے سرکارے نظر آتے ہیں اور ان میں سے بعض تو انتخاب اور جمہوریت کی بحالی کے سرے سے مخالف نظر آتے ہیں مگر نصر اللہ خان ابتداء سے لیکر آج تک تمام مسائل کا حل انتخاب قرار دیتے ہیں۔ اور احتساب سے پہلے انتخاب کا مطالبہ کر کے ایک طرح رسک لے رہے ہیں۔ جس کی جرأت کم از کم اتحاد کے کسی رہنما میں نظر نہیں آتی۔ اسی وجہ سے وہ اتحاد میں رہتے ہوئے بھی اتحاد کے رہنما کم اور پی ڈی پی کے سربراہ زیادہ محسوس ہوتے ہیں۔

وہ اندرون سندھ جہاں بھی گئے، بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا گیا۔ انہوں نے اپنی ہر تقریر میں انتخاب اور اندرون سندھ کے بڑھتے ہوئے مسائل کا ذکر کیا۔ اور مارشل لا حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ آنے والے طوفان کا ادراک کرے۔ انتخابات کی تاریخ کا اعلان کرے، منصفانہ انتخابات

(باقی ص ۳۸ پر)

مسعود محمود ایک حسینہ لائے

یادش بخیر! ہانگ کانگ میں پہلی رات تھی۔ اپنے مسعود محمود نشے میں دھت لڑکھڑاتے ہوئے میرے کمرے میں داخل ہوتے ان کے ساتھ ایک عدد حسینہ بھی تھی۔ پوچھا "فرمائیے؟" کہنے لگے "کیا یہ میرا کمرہ ہے؟" عرض کیا "شراب خانہ خراب اور پھر شباب کے ساتھ نے آپ کو بہکا دیا ہے اور آپ بھول کر یہاں آن پہنچے ہیں۔" عین اس لمحے ایک گٹھے ہوئے جسم کا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس نے انتہائی مؤدبانہ طریقے سے مسعود کو کہا "جناب! آپ کی حفاظت ہم پر فرض ہے۔ چنانچہ ہمیں ہدایات ملی ہیں۔ کوئی مقامی مرد یا عورت آپ کے کمروں میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ مہربانی کیجئے۔ اس لڑکی کو باہر بھیج دیجئے۔ یہ آپ کی حفاظت کا تقاضا ہے۔" ڈائریکٹر صاحب نشے میں تو تھے ہی۔ اس دخل در معقولات پر طوفان کی مانند پھٹ پڑے "بکواس بند کرو، حرامزادے۔ سور کے بچے۔ تم مجھے کیسے روک سکتے ہو۔ میں خود سیکورٹی کا ڈائریکٹر ہوں۔"

وہ آدمی بڑے ضبط سے گالیوں کی بوچھاڑ پی گیا اور کہنے لگا "جناب آپ بھول رہے ہیں۔ آپ دوسرے ملک میں ہیں۔ یہاں آپ کی حفاظت ہم پر فرض ہے۔" یہ کہہ کر اس نے لڑکی کو اپنی زبان میں کچھ کہا اور وہ اچانک باہر کو چھوٹ لی۔ مسعود نے اس آدمی کو گریبان سے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے باتھ روم کی دیوار تک لے گئے۔ "سور کی اولاد کیا وہ تیری بہن ہے۔ تیری ماں کا۔۔۔" میں فوراً اٹھا کہ ان دونوں حضرات کو علیحدہ کروں تاہم میرے پہنچنے سے قبل ہی چٹاخ پٹاخ کی دو تین آوازیں ابھریں۔ نتیجتاً ڈائریکٹر صاحب ڈگمگاتے ہوئے فرش پر آن لیٹے اور وہ شخص کسی ماہر قصاب کی مانند ان کی چھاتی پر اچھل کر بیٹھ گیا غالباً اس نے جوڈو کراٹے کے ہاتھ دکھلاتے تھے۔ میں نے بھاگ کر اسے پرے دھکیلا۔ "یہ میرا کمرہ ہے یہاں فساد نہ کرو بھائی لوگو! اور تم کو کیا حق پہنچتا ہے کہ تم ہمارے ملک کے آدمی پر یوں ہاتھ اٹھاؤ۔ بے شک غلطی ان حضرت کی بھی ہے، مگر مارپیٹائی کا کوئی جواز نہیں۔" اس آدمی نے کہا "میں نے بہت برداشت کیا لیکن یہ ماں بہن کی گالی کیسے دے سکتا ہے۔ یہ کیسا شخص ہے جسے اپنی عزت کا پاس ہے، نہ اپنے ملک کی عزت کا۔ میں اس واقعے کو آپ کے وزیر اعظم تک پہنچاؤں گا۔" مسعود کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ رہی سہی کسر اس آدمی کی دھمکی نے پوری کر دی۔ مجھے پنجابی میں کہنے لگے "خدا کے لئے اس آدمی کو سمجھاؤ۔ معاملہ ختم ہو جانا چاہیے۔ اگر بھٹو صاحب تک رپورٹ پہنچ گئی تو میری بہت بے عزتی ہوگی۔" میں نے دل میں سوچا گویا اب آپ کی عزت افزائی ہو رہی ہے جو بعد میں بے عزتی ہوگی۔ لیکن معاملہ صرف ڈائریکٹر صاحب کا نہ تھا ملک کی عزت کی بھی بات تھی۔ میں نے اس آدمی سے کہا "بھئی تمہیں ان پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ تاہم یہ صاحب تمہیں "معاف" کرنے پر تیار ہیں۔ بات بڑھے گی تو تم بھی نقصان میں رہو گے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ دونوں ایک دوسرے کو معاف کر دیں۔ جو کچھ بھی ہوا ہے اسے بھول جائیں۔" آدمی معقول تھا۔ فوراً رضامند ہو گیا۔ چنانچہ "دونوں سیکورٹی والوں" نے ایک دوسرے کو یوں گلے سے چپکایا جیسے بچپن کے یار ہوں۔ یوں بات ٹل گئی۔ جب وہ شخص چلا گیا تو مسعود سر جھکا کر کرسی پر بیٹھ گئے۔ اب ان کا دماغ موزوں ہو چکا تھا، کہنے لگے "خدا جانے! یہ شخص ہوٹل سیکورٹی سے متعلق تھا یا پھر یہاں کی انتظامیہ کے کسی خفیہ محکمے سے تھا۔ اس سے شناختی کارڈ مانگنا چاہیے تھا۔" میں نے کہا "وہ جو کوئی بھی تھا اب جا چکا لیکن آپ آئندہ کے لئے احتیاط کریں۔ پرہیز بہر حال علاج سے بہتر ہوا کرتا ہے۔ بزرگوں کا قول تو یہی ہے۔ آگے آپ کی مرضی۔ ویسے اب جا کر آرام کریں رام بھلی کرے گا۔"

اس کے بعد ہانگ کانگ میں جتنا عرصہ رہے باہر کم ہی نکلنے پاتے گئے۔ دوسرے دن میرے پاس آئے۔ کہنے لگے "میں بہت پریشان ہوں۔ رات بھر سو نہیں سکا کہیں بھٹو صاحب تک بات نہ پہنچ جائے۔ وہ آدمی بڑا احمق اور ضدی سا تھا۔۔۔" میں نے انہیں بتایا "گھبرائیے نہیں۔ وہ شخص نہ احمق تھا اور نہ ضدی۔ میں نے پتہ کرایا ہے۔ وہ ہوٹل یا مقامی انتظامیہ کا فرد نہ تھا۔ ہوٹل والوں نے بتایا ہے کہ وہ یقیناً اس قحبہ خانے کا غنڈہ ہو گا جہاں سے آپ اس محترمہ کو لائے تھے۔ یہاں قحبہ خانوں کے مالک سیاحوں کے ساتھ یہ فراڈ اکثر کرتے ہیں۔ قحبہ خانے کا غنڈہ ساتھ ساتھ چل پڑتا ہے اور پھر چھاپہ مار کر لڑکی "برآمد" کر لیتا ہے۔ یا وہ خواہ مخواہ لڑائی بھڑائی شروع کر دے گا اور لڑکی واپس بھاگ لے گی۔ یوں وہی لڑکی پندرہ بیس منٹ بعد اسی قحبہ خانے سے نئے "مسافر" کے ساتھ نئی جگہ روانہ ہو جائے گی۔ یوں ہینگ لگے نہ پھٹکڑی اور ایک ہی رات میں کئی کئی گاہک بھی صاف، لہٰذا آپ کی شکایت کرنے کون آئے گا؟ یہ ہانگ کانگ کے ٹھگ ہیں۔ ہم آپ سے کچھ اوپر ہی ہوں گے نا؟"

مگر مسعود کا دل نہ مانتا تھا۔ لہٰذا جب تک ہانگ کانگ

میں رہے۔ پریشاں پریشاں رہے لیکن جونہی دوبارہ جہاز پر بیٹھے اور بزعم خود خطرے کا سائرن ٹلتے نظر آیا تو یوں گردن اکڑا کر سیٹ پر بیٹھ گئے جیسے چنگیز خان کے وارث وہی ہوں۔

اسے اتفاق کہہ لیجیے کہ اس سے قبل ڈیرہ اسمٰعیل خان میں بھی اس سے ملتا جلتا واقعہ پیش آ چکا تھا۔ نصر اللہ خٹک وزیر اعلیٰ سرحد نے ڈنر دیا۔ اس پر ڈائریکٹر صاحب بھی تشریف لائے۔ نصر اللہ خٹک دل کا بہت حلیم مگر غصے کا بہت سخت انسان ہے۔ دورانِ طعام خوری، اس نے ڈائریکٹر صاحب کو اپنے پاس بلایا۔ یہ حسب معمول ٹخر ٹخر کرتے پہنچے۔ وہاں میرے علاوہ کئی وزرا بھی موجود تھے۔ نصر اللہ نے میری جانب منہ کر کے آنکھ دبائی یعنی میں حملہ کرنے لگا ہوں۔ پھر ڈائریکٹر صاحب کی جانب متوجہ ہوا۔ "ایف ایس ایف میں تمام حرامزادے ہیں..."

ڈائریکٹر صاحب گھبرا گئے۔ "سر! حکم کیجیے کس سے قصور ہوا۔ آپ اشارہ دیجیے، میں ابھی اسے برخاست کیے دیتا ہوں۔" نصر اللہ نے کہا۔ "تم کسے برخاست کرو گے۔ سب سے بڑے شیطان تو تم خود ہو۔ تمہارے آدمیوں نے کہیں چوری کی ہے کبھی ان کے خلاف ایک شکایت آتی ہے کبھی دوسری۔ تمہارے آدمیوں نے رمضان میں شراب پی کر ایک دوسرے پہ گولیاں چلائی ہیں۔ تم اتنے اُلو کے پٹھے ہو کہ تمہیں کچھ پتہ نہیں۔" مسعود نے جو یہ تیور دیکھے تو تھر تھر کانپنے لگا۔ "سر! سر! آپ بجا فرماتے ہیں۔"

نصر اللہ نے کہا۔ "تم پولیس کے ہاتھی ہو۔ وقت بتائے گا۔ تم سب سے زیادہ بزدل ہو۔ اور وقت بتائے گا، تم کتنا نقصان پہنچاتے ہو"... نصر اللہ اپنا یار ہے اپنی مانند گنوار ہے۔ مگر میں آج بھی سوچتا ہوں اس نے کس قدر پیغمبرانہ بات کہی تھی!

جب ڈنر ختم ہوا۔ تو مسعود محمود فوراً میرے ریسٹ ہاؤس پہنچے۔ کہنے لگے: "میں اگر بھٹو صاحب سے شکایت کروں اور انہیں یہ بتاؤں کہ نصر اللہ نے انہیں گالی دی ہے تو کیا تم میری گواہی دو گے؟" میں نے کہا۔ "نصر اللہ نے بھٹو صاحب کے متعلق کچھ نہیں کہا اور پھر میں گواہی نہیں دیا کرتا۔ یہ آپ کا مسئلہ ہے۔ آپ جانیں۔ ویسے بھی نصر اللہ میرا دوست ہے۔" تاہم مجھے یقین ہے کہ نصر اللہ کے خلاف مسعود نے ضرور بات کی ہوگی۔ کیوں کہ ان کی فطرت ہی کچھ ایسی تھی۔

(ہمالہ کے اُس پار سے "ایک اقتباس)

یونین کے عہدیداروں کے خلاف غنڈہ گردی

حبیب بینک کے محنت کشوں کی تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس بینک کے ملازمین کی پیہم کوششوں کے باوجود اس بینک کی انتظامیہ نے کبھی بھی مزدوروں کی نمائندہ یونین قائم نہ ہونے دی۔ اور یوں جولائی ۱۹۷۶ء تک یہاں انتظامیہ کی آلہ کار اور اس کے مفادات کی محافظ یونینوں کا راج رہا۔ اس ادارہ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ جناب محمد موسیٰ بروہی اور جناب حبیب الدین جنیدی کی قیادت میں بنک کے محنت کشوں نے ۳۱ جولائی ۱۹۷۶ء کو منعقد ہونے والے ریفرنڈم میں ورکرز فرنٹ کو ووٹوں کی بھاری اکثریت سے کامیاب کرایا۔ فرنٹ کے ذرائع کے مطابق اس تبدیل شدہ صورتحال کو انتظامیہ نے تا حال قبول نہیں کیا کیونکہ ورکرز فرنٹ کے "سی بی اے" ہو جانے کی وجہ سے ان کے مفادات اور اجارہ داری کو سخت دھچکا پہنچا ہے۔ یہ کشمکش جاری تھی۔ کہ اسی دوران مورخہ ۱۵ فروری ۱۹۷۸ء بروز بدھ حبیب بینک پلازہ کی حدود میں بعض افسران نے غنڈہ عناصر اور شکست خوردہ یونین کے ایک عہدیدار کی مدد سے ورکرز فرنٹ کے صدر محمد موسیٰ بروہی اور سینئر نائب صدر مشتاق احمد خان پر حملہ کرا دیا۔ دونوں رہنماؤں نے اس حملہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جس میں اپنی مدافعت کرتے ہوئے جناب مشتاق خاصے زخمی ہوئے۔

چونکہ وقت زیادہ ہو چکا تھا دفتری اوقات ختم ہو چکے تھے مگر وہ ملازمین جو کہ ابھی گھر جانے کی تیاریاں کر رہے تھے ان تک جب یہ خبر پہنچی کہ جناب بروہی اور جناب مشتاق پر حملہ کیا گیا ہے تو ان میں سخت اشتعال پھیل گیا اور خاصی تعداد میں لوگ پلازہ کے سامنے جمع ہو گئے۔ جناب مشتاق احمد خان نے اس واقعہ کی رپورٹ فوری طور پر قریبی پولیس اسٹیشن میں کرا دی مگر حملہ آوروں میں سے کسی کو گرفتار نہ کیا گیا۔

دوسرے دن بینک میں کشیدگی تھی اور ورکرز فرنٹ کے دفتر واقع حبیب اسکوائر پر ملازمین گزشتہ روز کے واقعہ کی تفصیل جاننے کی غرض سے بڑی تعداد میں پہنچ رہے تھے۔ تیسرے دن فضا، زیادہ کشیدہ تھی۔ محنت کش مشتعل تھے اور فرنٹ کے عہدیداران سے مطالبہ کر رہے تھے کہ انتظامیہ کے اس اقدام کے خلاف عملی احتجاج کیا جائے صورتحال کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے فرنٹ کے عہدیداران نے ملازمین سے اپیل کی کہ وہ صبر و تحمل سے کام لیں۔ پر امن رہیں اور کوئی ایسا عمل نہ کریں جس سے بینک کا کام رکتا ہو، یا امن و امان کا مسئلہ پیدا ہوتا ہو۔ اور یوں صورتحال قابو میں رہی۔

اس واقعہ کے متعلق جناب حبیب الدین جنیدی جو کہ ورکرز فرنٹ کے علاوہ پاکستان بنکس ایمپلائز فیڈریشن کے بھی سیکریٹری جنرل ہیں ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے اس واقعہ کی ذمہ داری بنک کے بعض اعلیٰ افسران خصوصاً ایمپلائز ریلیشنز اور پرسنل ڈویژن کے کنٹرولر مسٹر آئی اے جعفری پر عائد کی ہے۔ اور کہا ہے کہ مسٹر جعفری اور ان کے پشت پناہ نہیں چاہتے کہ ادارہ میں کوئی موثر اور نمائندہ یونین کام کرے۔ کیونکہ ایسی صورت میں ان کی وہ دھاندلیاں بے نقاب ہونے کا خطرہ موجود رہتا ہے جس کے کہ وہ اور ان کے سرپرست طویل عرصہ سے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اسی مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے مسٹر جعفری بعض دیگر اعلیٰ افسران کی ملی بھگت سے بنک میں ناپسندیدہ اور غنڈہ عناصر کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ جناب جنیدی نے مزید کہا کہ اصل واقعہ کو چھپانے کی غرض سے بنک انتظامیہ بے سروپا الزامات عائد کر رہی ہے۔ اور اس طرح صورتحال کو مزید خراب کرنے کا باعث بن رہی ہے۔ جناب جنیدی نے مارشل لا ایڈمنسٹریٹر زون "سی" سے اپیل کی کہ حملہ آوروں کے خلاف سخت کارروائی کے ساتھ ساتھ بنک کے ان اعلیٰ افسران کیخلاف تحقیقات بھی کرائی جائے جو گزشتہ دس دس سالوں سے ایک ہی ڈویژن یا ڈیپارٹمنٹ پر اپنا تسلط جمائے ہوئے ہیں اور اس طرح اقربا پروری، گروہ بندی اور بنک کے وسائل کا ناجائز استعمال کر رہے ہیں۔

تشدد کے اس واقعہ کے خلاف حبیب بنک کے علاوہ دیگر بنکوں کے محنت کشوں میں بھی شدید ردِ عمل ہوا ہے۔ اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے ملازمین کی یونین کے جنرل سیکریٹری محمد عارف اور نائب صدر جاوید نیاز، یونائیٹڈ بنک لیبر یونین کے صدر عبدالعزیز اور سیکریٹری مظفر الحق، مسلم کمرشل بنک ایمپلائز یونین کے صدر عثمان غنی، الائیڈ بنک آف پاکستان ایمپلائز یونین کے ڈپٹی جنرل سیکریٹری خلیق احمد انڈسٹریل ڈویلپمنٹ بنک آف پاکستان کے صدر انور علی اور انویسٹمنٹ کارپوریشن آف پاکستان ایمپلائز فرنٹ کے صدر ریاض حسین شاہ اور دیگر تنظیموں نے غنڈہ گردی کے اس واقعہ کی شدید مذمت کرتے ہوئے حبیب بنک کے ملازمین کو اپنی مکمل حمایت کا یقین دلایا ہے۔

ساکت پانی میں ایک معمولی کنکری بھی لہریں پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے اور اگر کنکری کے بجائے کوئی پہاڑ لوٹ دیا جائے تو پھر لہر جوار بھاٹا بن جاتی ہے۔ یہی کچھ آج سندھ اور ملک کا حال ہے۔ ملک میں مارشل لا نافذ ہے سیاسی عمل منجمد ہے۔ ظاہر پر نگاہ رکھنے والے ہمیشہ غلط اندازہ لگاتے اور پھر شرمندہ ہوتے ہیں۔ اب یہی دیکھیں کہ بیگم نسیم اندرون سندھ کے دورے پر نکلیں۔ ٹھٹہ سے جیکب آباد تک دورہ کیا۔ ہر شہر میں داؤد خاں پٹھان جیسے میزبان میسّر تھے۔ پولیس ٹریفک کنٹرول کرنے کو موجود تھی۔ میونسپل حکام کو بھی برسوں بعد گلی کوچوں کی صفائی کا خیال آیا۔ کیوں نہ آتا کہ وہ نگاہ شناس ہیں۔ مضبوط کرسی کے کل پرزے ہوتے ہیں۔ پسندیدہ اور ناپسندیدہ کی اپ ٹو ڈیٹ فہرست سامنے ہوتی ہے۔ شاہانہ طور طریق سے پہلے سابقہ پڑا نہ تھا۔ پٹھان خون جوش مار گیا۔ شوہر کے بھٹو ازم کو غیر ضروری محسوس کیا اور لاڑکانہ میں اعلان کر بیٹھیں کہ انہیں سندھ میں بھٹو کہیں نظر نہیں آیا۔ بات دل کو لگی۔ ذہن مطمئن اور دل کو سکون ملا۔ بے نظیر کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی۔ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ بھٹو کے خاتمے کی بازگشت ختم بھی نہیں ہوئی تھی۔ کہ بے نظیر بغیر کسی پیشگی پروگرام گھر سے نکل کھڑی ہوئیں۔ ٹھٹہ، بدین، حیدر آباد، تھرپارکر، سانگھڑ اور نواب شاہ سے گزر کر خیرپور کا قصد کیا۔ خیال تھا کہ پیپلز پارٹی کے گرفتار شدہ کارکنوں کے گھر جائیں گی چند ارکان اسمبلی دعوتیں دیں گے۔ جن سے پہلے ہی یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ مجمع اور نعرہ بازی نہیں ہوگی۔ لیکن ہوا یہ کہ بے نظیر کا دورہ سندھ کے ساکت پانی میں پہاڑ ثابت ہوا۔ ہزاروں غریب کسانوں عورتیں مرد اور بچے سڑکوں پر موج در موج جمع ہو گئے۔

فون کھڑکے۔ اطلاعات کے مطابق حیدر آباد میں قمر الزماں شاہ کو فون ملا کہ بے نظیر اپنی سرگرمیاں دعوتوں تک محدود کریں۔ شاہ صاحب کے بس میں ہوتا تو روک لیتے بے نظیر بھی کیا کرتیں۔ گھر سے بلانے تو گئی نہیں تھیں۔ آئے ہوؤں کو کیسے دھتکارتیں۔ بات نہ بنی۔ حیدر آباد کے بعد دوسری منزل ٹنڈو آدم تھی۔ راستہ بلاک کرنے کی تدبیر اختیار کی گئی۔ مگر جو دریا جھوم کے اٹھے تھے۔ تنکوں سے کہاں ٹلتے۔ لاٹھی چارج بھی کیا۔ قیدی احمد وریال کے گھر پہنچنا ناممکن بنا۔ بندوق کے بٹ سے ڈاکٹر سلطانہ ابراہیم کی کار زخمی بھی ہوئی۔ لیکن قافلہ رکنا تھا نہ رکا۔ جو ہنجو گوٹھ مڑ گیا۔ ناکامی برہمی میں تبدیل ہوئی۔ شہداد پور پر پہلے سے زیادہ بندوبست ہوا۔ شہر کا راستہ مکمل طور پر بند ہوا۔ بھر پور لاٹھی چارج کے بعد قافلہ جمہوریت کی ناکامی یقینی سمجھی گئی۔ مگر یہ کیا حوصلہ اور بڑھا۔ دانستہ تبدیل کر کے عبدالسلام تھیم کے گاؤں پہنچ گئے۔ افسوس الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ "دوا" نے کام کیا۔

لیجئے منزلیں مارتا قافلہ نواب شاہ میں داخل ہو گیا۔ ڈاکٹر سلطانہ ابراہیم کے بھائی نذر شاہ رکن اسمبلی کا بنگلہ آ گیا۔ رات ٹھہرنا تھا۔ اس بنگلے کی ہی قسمت جگا دی۔ نئی صبح طلوع ہوئی۔ غلام مصطفےٰ جتوئی بھی شامل قافلہ ہوئے۔ کیوں نہ ہوتے ان کا گھر تھا۔ ان کا ضلع اور آبائی حلقہ۔ غیر حاضری محسوس ہوتی اور شدت سے محسوس ہوتی۔ اب تک تو چل گئی آئندہ کیسے چلتی۔ اسٹیرنگ خود سنبھالا۔ سکرنڈ سے نیا سفر شروع ہوا۔ ہزاروں کا مجمع۔ ٹیلیفون پر پیغام ملتا ہے کہ دورہ ختم کیا جائے۔ بے نظیر کم عمر ہیں۔ نوآموز سہی لیکن ارادے اٹل ہیں۔ عوام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر سامنے، طاقت کا سیلاب کو کمزوروں کو بھی بہادر بنا دیتا ہے۔ وہ تو بھٹو کی دختر ہیں عزم و حوصلہ دو چند ہوتا ہے۔ تحریری حکم کے بغیر دورہ ختم کرنے سے انکار کرتی ہیں۔ سکرنڈ سے قاضی احمد مورو کا دورہ مکمل کرتی ہیں۔ رات نواں جتوئی میں قیام ہے۔

نوابشاہ غلام مصطفےٰ جتوئی کا اپنا ضلع ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ نوابشاہ پیپلز پارٹی کا ناقابل تسخیر قلعہ ہے لیکن بیر لاکھوں کا مجمع سندھ کی روایت توڑ کر ہزاروں عورتوں کا

اندرون سندھ

مخدوم خلیق الزماں گرفتاری
روایت سے بغاوت
پیری اور حوالات کے تقاضے

احسان عظیم

سندھ میں سیاسی رہنماؤں کی میزبانی اور نگرانی یوں بھی ہوتی ہے

اسے کہتے ہیں، عوام کی طاقت، عوام کا فیصلہ

مردوں کے شانہ بشانہ روڈوں پر اجتماع کیسے ممکن ہوا۔ کس نے اکٹھا کیا؟ جتوئی صاحب تو سکھر ڈویژن کے دورے پر تھے۔ کس نے شرارت کی۔ تلاش ہوئی۔ ضلعی صدر سعید الفتح میمن کی شناخت ناممکن تو نہ تھی۔ اتنی بڑی جسارت! سبق تو ملنا ہی چاہیئے۔ گھر سے نکلتے ہیں۔ روڈ پر پروانہ نظر بندی ملتا ہے۔ خیر پور جیل پہنچائے جاتے ہیں اگر نہ گرفتار ہوگیا۔ اب تو دروازہ بند ہوگا مگر یہ کیا؟ دورہ تو جاری ہے۔ لیجئے محراب پور، ہالا، نوشہرو فیروز اور کنڈیارو کے ساتھ ہی نوابشاہ ضلع مکمل ہوا۔ اطلاع ملتی ہے کہ پابندی کا تحریری حکم آرہا ہے۔ انتظار کریں۔

انتظار کون کرے؟ تاریخ بھلا انتظار کرتی ہے۔ تاریخ کا پہیہ نہ رکتا ہے نہ واپس ہوتا ہے۔ صبح ہوئی۔ قافلہ ترتیب پایا۔ خیر پور کے لیے حرکت ہوئی۔ قافلہ نواب شاہ کی آخری چوکی رسول آباد کے قریب پہنچتا ہے۔ بیچ راستے پر سرکاری گاڑی کھڑی ہے۔ سرکاری نمائندہ روڈ پر کھڑا ہوکر کاغذی پروانہ لہراتا ہے۔ کاریں رکتی ہیں۔ کاغذ پڑھا جاتا ہے۔ چلئے شرط پوری ہوئی بات ختم۔ آنکھوں والوں نے دیکھا۔ سننے والوں نے سنا۔ سبق حاصل کرنے والے سبق بھی حاصل کریں گے۔ قافلہ رواں ہے۔ لاکھوں عوام اپنا حق اقتدار طلب کرتے ہیں۔ اقتدار عوام کا مقدر ہے۔ جمہوریت عوام کا حق ہے۔ کون روکے گا؟ کب تک؟ تاریخ کا پہیہ کہیں رکا ہے؟ بھٹو جیل میں ہو یا جیل سے باہر۔ جب تک عوامی حقوق کی بات کرے گا لوگوں کے دلوں پر راج کرے گا۔ ولی خان کا بھٹو ازم سے مقابلے کے نعرے یا کوڑوں سے بھٹو کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ نہ ہی بیگم نسیم کی بشارت حقیقت کا روپ دھار سکتی ہے بے نظیر بھٹو کا دورہ روک دیا گیا۔ کراچی میں نظر بند کردیا گیا۔ میدان خالی ہے۔ قومی اتحاد کے نائب صدر اور پاکستان جمہوری پارٹی کے صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں کا اندرون سندھ کا دورہ ۱۹ فروری ۷۸ء سے سکھر میں بندھانیوں کی دعوت کے ذریعہ شروع ہوگیا۔ نواب شاہ تک پہنچ چکے ہیں۔ دعوتیں بھی ہو رہی ہیں۔ دعوتوں میں تقریریں بھی۔ لوگوں کو جمع بھی کیا جارہا ہے۔

پیپلز پارٹی کے ڈویژنل صدر مخدوم خلیق الزماں بھی تین ماہ کے لیے نظر بند کردیئے گئے۔ مخدوم خاندان کا پہلا فرد جیل جارہا ہے۔ وہ بھی نعرہ لگاکر مگر گرفتاری کیوں؟ اس لیے کہ بے نظیر کو ہالا میں دعوت دی تھی دعوت تو پیر اعجاز نے بھی دی تھی۔ قمر الزماں شاہ نے بھی پیر غلام رسول شاہ نے بھی لطیف انصاری اور علی نواز شاہ نے بھی۔ پھر صرف خلیق کیوں گرفتار ہوئے؟ ایک سبب یہ ہوسکتا ہے کہ وہ پیپلز پارٹی سندھ کے نائب صدر اور حیدر آباد ڈویژن کے صدر ہیں لیکن وہ تو صرف نائب صدر ہیں غلام مصطفےٰ جتوئی صدر ہیں۔ قاسم عباس پٹیل جنرل سیکرٹری ہیں وہ کیوں نہیں گرفتار ہوئے۔ پیپلز پارٹی کے ایک حلقے کا خیال ہے کہ مخدوم خلیق کی گرفتاری کا سبب نہ تو ان کی دعوت ہے اور نہ ہی ان کا عہدیدار ہونا! اصل بات یہ ہے کہ نوجوان ہیں خاندانی روایت کے برخلاف سرگرم ہیں ۵ جنوری کے یوم جمہوریت کی بھرپور حمایت کی تھی۔ ہالہ میں مکمل ہڑتال پھر بے نظیر کے دورے کی سرگرمی سے تنظیم اور سرگرمی کا خطرہ کا نشان بن گیا۔ گرفتار نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔ کہا جارہا ہے کہ۔ گرفتاریاں اور بھی ہوں گی۔ دیکھیں کس کس کا نمبر آتا ہے۔ بے نظیر بھٹو کے استقبال میں نوابشاہ سے گرفتار دو کارکنوں کو تو نو نو ماہ کی سزا کوڑوں کے ساتھ سنائی جاچکی ہے۔

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (بی ایس او) کے صدر میم خان بلوچ کی بنیادی رکنیت ختم کرتے ہوئے صدارت سے علیحدہ کردیا گیا۔ اس کا انکشاف بی ایس او کے جنرل سیکرٹری رفیق کھوسو نے گزشتہ دنوں ایک پریس کانفرنس میں کیا۔ میم خان بلوچ کے خلاف کارروائی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ میم خان بی ایس او کے ضابطوں کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے۔ فیصلے کے خلاف اکتوبر انتخابات میں حصہ لیا۔ اور بی ایس او میں این ڈی پی کے ایجنٹ کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ این ڈی پی کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ رجعت پسندانہ لائن اختیار کیے ہوئے ہے۔ رفیق کھوسو نے پٹ فیڈر کے ہاریوں کے قتل عام اور قاتلوں کے بجائے مظلوم ہاریوں کی گرفتاری کی شدید مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ ہاریوں کو رہا کیا جائے۔ قاتلوں کو گرفتار کیا جائے اور ہاریوں کی حمایت میں بھوک ہڑتال کرنے والے کارکنوں کو رہا کیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ اگر یہ مطالبات تسلیم نہ کیے گئے۔ تو مارچ میں کالج کھلتے ہی طلبا پٹ فیڈر کے ہاریوں کی حمایت میں تحریک چلائیں گے۔ انہوں نے سندھ ہاری کمیٹی کے کارکن غلام حسین شر کے وارنٹ گرفتاری اور اس کے چھوٹے بھائی نور علی شر کی بطور یرغمال ٹھری میرواہ پولیس اسٹیشن میں غیر قانونی حراست پر شدید احتجاج کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ نور علی شر کو رہا کیا جائے۔ والدین پر دباؤ ختم کیا جائے۔ اور غلام حسین شر کا وارنٹ منسوخ کیا جائے۔ حکومت کی تبدیلی کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ ایک آدمی کی تبدیلی سے لوگوں کا مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے حالیہ احتساب کو عوام کو جمہوری عمل سے دور رکھنے کی کوشش قرار دیتے ہوئے کہا کہ احتساب کا حق صرف عوام کو ہے۔ الیکشن کے ذریعہ عوام کو احتساب کا حق استعمال کرنے کا موقع ملنا چاہیئے۔

انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ نواب محمد احمد خاں کے قتل کی تحقیقات میں انتہائی سرگرمی دکھائی جارہی ہے۔ لیکن اسد اللہ مینگل، اشوک کمار، بلوچستان کے ہزاروں عوام اور بنگال کے لاکھوں عوام کے قتل پر خاموشی برقرار رکھی گئی ہے۔

اندرون سندھ انتخابات فوری طور پر کرانے کا مطالبہ زور پکڑتا جارہا ہے۔ انتخاب کا مطالبہ ابتداء میں صرف پیپلز پارٹی کا مطالبہ تھا۔ لیکن اب پیپلز پارٹی کے مخالف حلقے بھی اس مطالبے میں شامل ہو رہے ہیں۔ گزشتہ ہفتے میر رسول بخش تالپور اور میر علی احمد تالپور نے حکیمی ضلع حیدر آباد میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فوری انتخاب کا مطالبہ کیا۔ اجتماع میر فیض محمد تالپور کی پہلی برسی کے سلسلہ میں منعقد ہوا تھا۔ دوسری طرف قومی اتحاد کے نائب صدر اور پاکستان جمہوری پارٹی کے سربراہ نوابزادہ نصر اللہ خاں بھی اپنے حالیہ دورے میں فوری انتخاب کرانے کا مطالبہ کرتے پائے گئے۔

اطلاعات کے مطابق مزدور کسان، طلباء رابطہ کمیٹی کا غلام قادر اور محمد سلیم پر مشتمل دو رکنی وفد پٹ فیڈر کے ہاریوں کے مطالبات کی حمایت میں بھوک ہڑتال کرنے کے لیے ٹمپل ڈیرو روانہ ہوگیا ہے۔ اس سے قبل ایک تین رکنی وفد مزدور رہنما محمد رمضان کی قیادت میں گزشتہ ہفتہ بھوک ہڑتال کرنے گیا تھا جنہیں ٹمپل ڈیرو میں پہلے ہی گرفتار کیا جاچکا ہے۔ رابطہ کمیٹی کی پریس ریلیز کے مطابق گرفتار شدہ کارکن ۲۳ فروری ۷۸ء سے جیل میں بھوک ہڑتال شروع کریں گے۔ رابطہ کمیٹی کے صدر قلندر بخش نے مطالبہ کیا ہے کہ پٹ فیڈر کے ہاریوں کے قاتلوں کو گرفتار کرکے پھانسی دی جائے۔ ہاریوں کی زمین اور فصل ہاریوں کے حوالے کی جائے۔ گرفتار شدہ ہاریوں اور ان کے حامی کارکنوں کو رہا کیا جائے۔

ریڈیو، ٹی وی اور فلم کی ترقی کے نتیجہ میں اسٹیج کا روایتی فن گو کہ خاصا متاثر ہوا ہے لیکن ہر شہر میں آج بھی اسٹیج کے شوقین موجود ہیں۔ اور اپنی بے بضاعتی کے

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

بھٹو کو سورج اور چاند کہنے والو

اصل کی پہچان کرو

کھیل میں پُتلی نہیں ڈوری ہلانے والی انگلیاں اہم ہوتی ہیں

شہزاد غزنوی

آخر پیپلز پارٹی میں اختلاف کی بلّی تھیلے سے باہر آہی گئی جس دن کا اپنوں اور غیروں کو انتظار تھا، وہ ۲۲ فروری کا دن ثابت ہوا۔ اور مولانا کوثر نیازی نے پیپلز پارٹی میں دراڑیں ڈالنے کے لئے پہلی ضرب لگائی۔ مولانا نے کہا کہ پارٹی بھٹو فیملی لمیٹڈ نہیں۔ ایک مکمل اور جمہوری پارٹی ہے اور اگر پنجاب سے نہیں تو سندھ ہی سے کسی کو (نعیتی مجھے نہیں تو جتوئی کو) پارٹی کا چیرمین بنایا جائے ورنہ ۔۔۔۔۔

ورنہ کے بعد کی صورت حال نے سرحد میں پارٹی کارکنوں میں شدید ردِ عمل پیدا کر دیا ہے۔ نہ صرف پیپلز پارٹی بلکہ تحریک استقلال کے حلقوں میں بھی مولانا کو شدید اور کڑے احتساب کی تیز دھار سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ اب ان کے حال کے ساتھ ان کا ماضی بھی تنقید کی کسوٹی پر کھینچ لایا گیا ہے۔

تحریک استقلال کے حلقوں کا کہنا ہے کہ اگر مولانا کے موجودہ بیان کو اس افواہ کے پس منظر میں دیکھا جائے کہ مولانا نے ۲۱ فروری کو بیگم بھٹو اور شیخ رشید سے ملاقات کے بعد تین گھنٹے تک حکام سے "گفت و شنید" کی، تو نہ صرف پیپلز پارٹی بلکہ تحریک استقلال کے سربراہ پر اُن کی تنقید کو بھی باآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ پھر ایسی صورت میں جب اصغر خان نے صرف دو روز قبل ہی ایک بیان میں انتخابات کے بارے میں سخت رویّہ اختیار کیا ہے، مولانا کے الزامات کو تحریک کے حلقے ایک "دھمکی" سمجھنے پر مجبور ہوں گے۔ اور ایسی صورت میں یہ سمجھنا زیادہ مشکل نہیں کہ پیپلز پارٹی کے بعد تحریک کا نمبر آ سکتا ہے کہ باقی تمام پارٹیوں کی نسبت یہ پارٹی زیادہ لبرل ہے۔

پیپلز پارٹی کے ایک رہنما محمد انور نے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ سرحد میں مولانا کو شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کہ سرحد کے لوگ مولانا کے اصل چہرے کو پہلے سے شناخت کر چکے ہیں۔ مسٹر انور نے کہا کہ پُتلیوں کے کھیل میں پُتلیوں کی نہیں، ڈوری ہلانے والی انگلیوں کی اہمیت ہوتی ہے۔ بھٹو مولانا کو ماڈرن مُلّاں کہا کرتے تھے جب کہ مولانا مجبور مُلّاں ہیں۔ اور ان کا کہا اُن کا "ناقابلِ شناخت انگلیوں" سے بندھی ڈوری کا کمال ہے

پیپلز پارٹی کے ان حلقوں کا کہنا ہے کہ پیپلز پارٹی بھٹو کا دوسرا نام ہے۔ کیونکہ شروع سے ہی پارٹی کو ایسے خطوط پر استوار کیا گیا کہ آج پارٹی ایک شخصیت کے حوالے سے تو تحریک بن سکتی ہے، لیکن تنظیم کے حوالے سے کوئی تحریک پیدا نہیں کر سکتی۔ گزشتہ کل خود مولانا نے اعتراف کیا تھا کہ بھٹو چاند ہے اور ہم اُس کی کرنیں، بھٹو سورج ہے اور ہم اُس کی روشنی۔ اور اگر آج یہ چاند اور سورج بادلوں میں گھِر گیا ہے، تو اس کی روشنی اور کرنوں کی موت تو سورج اور چاند سے بھی قبل اٹل ہے۔ یعنی بھٹو کے اقتدار اور شخصیت سے اس حد تک خود کو اور تنظیم کو وابستہ کرنے والے لوگ کس طرح اپنی علیحدہ اکائی کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ کہ ان کی سیاسی زندگیاں تو بھٹو کی زندگی کے ساتھ مشروط ہیں۔ اور اگر بھٹو کو آج نقصان پہنچے گا، تو اس کے اپنے اس کیے کے نتیجے میں، کہ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اور موقع پرستوں کی تحریک پر پارٹی کے صحیح کیڈرز اور رہنماؤں کو پارٹی سے علیحدہ کیا۔ چنانچہ اب بھٹو اور عوام کے درمیان کوئی موقع پرست حائل نہیں اور اگر بھٹو سیاسی پردے سے ہٹا دیا جاتا ہے، تو یقیناً یہ تحریک صرف بھٹو کے نام پر ہی ایک رہ سکتی ہے۔ وگرنہ پیپلز پارٹی صدر کے رہنما ایم یو غزنوی کے بقول دس ہزار کوثر نیازی بھی پارٹی کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال نہیں کر سکتے۔ پیپلز پارٹی کے ان حلقوں کا کہنا ہے کہ اگر مولانا نے یا اس کے کسی حواری نے پارٹی میں دراڑ ڈالنے کی کوشش کی، تو کارکن جو کسی موقع پرست سیاستدان کے ساتھ نہیں اس کوشش کو ناکام بنا دیں گے۔

این ڈی پی کے مسٹر بلور نے اخباری خبر کی تردید کرتے ہوئے اس امر کا اعلان کیا کہ مولانا کوثر نیازی کو پارٹی میں شامل کرنے کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ این ڈی پی کے ان حلقوں کا کہنا ہے کہ مولانا کوثر نیازی جیسے لوگ جو اقتدار کے ساتھی ہوتے ہیں، ان کے لئے این ڈی پی جیسی با اصول جماعت کبھی بازو کشادہ نہیں کر سکتی، پھر ایسی سیاسی شخصیت جسے اپنی پارٹی ورکرز کا اعتماد حاصل نہ ہو اور جس نے مشکل کے وقت اپنی پارٹی

کا ساتھ نہ دیا ہو اسے اپنی پارٹی میں شریک کرنا سیاسی غلطی ہی نہیں سوکھی بھینس پالنے کے مترادف بھی ہے۔

ولی خان کو سرحد میں ایک شدید تنقید کے سیلاب سے گزرنا پڑا۔ ان کے پرانے ساتھی جو برسوں سے تمام عذابوں اور تکلیفوں میں ان کے ساتھ رہے ہیں ان کی موجودہ پالیسی سے سخت اختلاف کا اظہار کرتے ہیں چنانچہ دبے لفظوں میں یہ اظہار سامنے آنے لگا ہے کہ ولی خان یا ان کا کوئی ساتھی اپنے موقف سے نہیں ہٹے۔ اور اب تک ان اصولوں پر قائم ہیں لیکن اس کے باوصف جن باتوں کے جواب دینے سے این ڈی پی کے رہنما کنی کتراتے ہیں وہ فضا میں موجود ہیں۔ خصوصًا ولی خان کی سیاست کو سرحد میں اس لئے شدید احتجاج سے گزرنا پڑ رہا ہے کہ انہوں نے نیپ کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھانے کی بجائے نہ صرف این ڈی پی میں شمولیت اختیار کر لی بلکہ اس سلسلہ میں اب بھی کوئی اقدام سامنے نہیں آیا۔ یعنی نیپ کو "غداری" کے چنگل سے نجات دلائے بغیر ولی خان کا نیا سیاسی رویہ اس بات کا غماز ہے کہ انہوں نے غداری کے الزام کو قبول کر لیا ہے جب کہ نیپ کے حلقے اسے قبول نہیں کرتے۔ پھر معافی کے عام اعلان کے بعد اب تک نیپ کے اصل لوگ باہر سے واپس نہیں آئے۔ یہاں تک کہ ممتاز دانشور اور نیپ کے سکرٹری جنرل اجمل خٹک بھی اب تک واپس نہیں لوٹے۔ جسے یہ حلقے بڑی اہمیت دے رہے ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ولی خان کے مارشل لاء پر مکمل اعتماد کا اظہار کرنے کے باوجود فوجی حکومت کا ترقی پسند عناصر اور قوم پرستوں کے بارے میں بار بار سخت اظہار اس اعتماد کو متزلزل کرنے کا سبب ہے۔ اس لئے نیپ کا ترقی پسند حلقہ اس ساری صورت حال کو مشکوک نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ اور اجمل خٹک کی ہنوز ناواپسی کو اس سے منسلک کر رہا ہے۔

پاکستان ٹیلی ویژن کے کارکنوں کی حمایت کے جرم میں سرحد کے ممتاز طالب علم رہنما قمر عباس کو مارشل لاء کے حکم نمبر ۵، ۱۳ اور ۱۶ ایم پی او کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ ۵ جولائی کے مارشل لاء کے بعد قمر عباس کی یہ دوسری گرفتاری ہے، اس سے قبل وہ ۳ جنوری کو گرفتار کر لئے گئے تھے۔ قمر عباس کی گرفتاری پر سرحد کے طالب علم رہنماؤں نے شدید احتجاج کیا ہے۔ پیپلز سٹوڈنٹ فیڈریشن کے صدر اعظم آفریدی اور گورنمنٹ کالج پشاور نوشہرہ اور دوسرے شہروں کے رہنماؤں نے بھی قمر عباس کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا۔ اس سلسلہ میں نوشہرہ اور پشاور میں جلوس بھی نکالنے کی کوشش کی گئی۔

پاکستان ٹیلی ویژن کے سات کارکنوں کو قید اور کوڑوں کی سزا سنادی گئی جس کے تحت مبارک شاہ صدر یونین، اعجاز احمد نیازی، توفیق حسین، عبد الجلیل شاکر کو ایک ایک سال قید اور دس دس کوڑے، اظہر حسین ایک سال قید با مشقت، چنار گل اور عتیق احمد کو چھ ماہ قید سخت کا حکم ایک سمری عدالت نے دیا ٹیلی ویژن کے کارکنوں کی سزا کے خلاف ہر مکتبۂ فکر اور ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے احتجاج کیا ہے۔ یونین کے رہنما نسیم احمد جان نے کہا ہے کہ نظریۂ ضرورت کی حیثیت کو ملک کی سب سے بڑی عدالت تسلیم کر چکی ہے اور ٹیلی ویژن کے کارکنوں نے بھی نظریۂ ضرورت کے تحت پاکستان ٹیلی ویژن کارپوریشن اور کارکنوں کے بہترین مفاد میں قدم اٹھایا تھا۔ اس سے حکومت کے خلاف بغاوت مقصود نہیں تھا جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے۔ اس سے مقصد کسی سیاسی پارٹی کو فائدہ پہنچانا نہیں تھا۔ بلکہ ٹیلی ویژن حکام کی غلط پالیسیوں کے خلاف ایک احتجاج تھا۔ انہوں نے اپیل کی کہ موجودہ حکومت سب سے زیادہ اسلام کا ذکر کرتی ہے۔ اسلام رواداری اور درگزر کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لئے حکومت اسلام کے نام کے تقدس کو ملحوظ رکھتے ہوتے درگزر کا ثبوت دے اور بے گناہ سزا پانے والے تمام اسٹیشنوں کے کارکنوں کو رہا کرے۔

(جنرل ضیاالحق صاحب نے کوڑوں کی سزا معطل کرنے کا اعلان کر دیا ہے)

لاہور اور راولپنڈی کے بعد پشاور کے لکھنے والوں نے بھی ٹیلی ویژن کے کارکنوں کے خلاف اقدام کی مذمت کرتے ہوتے کارکنوں کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا۔ اور اس وقت تک ٹیلی ویژن کے ساتھ تعاون نہ کرنے کا عہد کیا جب تک ٹیلی ویژن کارپوریشن کارکنوں کے ساتھ معقولیت کا ثبوت دیتے ہوئے ان کے جائز مطالبات قبول نہیں کر لیتی۔ ✳

مردان، یوم احتجاج، کھیتوں میں بھی کام بند رہا

مردان

مشعل خان، جنرل سیکرٹری، مزدور کسان پارٹی مردان

مردان کے مختلف علاقوں میں ۱۶ فروری کو مزدور کسان پارٹی کے زیرِ اہتمام یوم احتجاج منایا گیا۔ مزدور کسان پارٹی کے کارکنوں نے اپنے گھروں پر سیاہ جھنڈے لہرائے اور اپنے مطالبات کے حق میں بازوؤں پر سیاہ پٹیاں باندھیں۔ اس دن کھیتوں میں بھی کام بند رہا۔ اور یہ یوم احتجاج کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

ضلع مردان میں مزدور کسان پارٹی نے مندرجہ ذیل جگہوں پر اجتماعات کئے۔ علاقہ قطب گڑھ موضع پشیم کوردنہ جناب ظفر کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ جناب حیا خان کی صدارت میں تور ڈھیر، موضع سیرنی کوردنہ میں جلسہ ہوا۔ علاقہ ہوسٹی موضع تخفو ڈھیری، زیر صدارت زیارت خان طور، علاقہ لوند خور آلو اور میاں عیسٰی میں جناب یوسف کی صدارت میں اجتماعات ہوتے۔ علاقہ شیرہ، موضع شاد محمد کوردنہ زیر صدارت زیارت جلسہ ہوا۔ اس کے علاوہ علاقہ شیر گڑھ ہاتھیاں زیرِ صدارت شیر زمان، علاقہ جلالہ زیر صدارت یعقوب خان اجتماعات ہوتے۔ پارٹی کے رہنما مشل خان اور امان اللہ خان نے تقریریں کیں۔ اسی طرح ضلع مردان کے علاقہ یوسف زئی کے مختلف مقامات پر بھی اجتماعات ہوئے جن کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں۔ علاقہ یوسف زئی موضع چھپار، زیر صدارت زرین خان، علاقہ منگا، زیرِ صدارت فضل رحیم، موضع شیخ یوسف زیر صدارت سلیمان، موضع جمال چھیل، علاقہ یوسف زئی زیرِ صدارت خان بہادر، موضع شکر لورائی زیر صدارت علی جان، علاقہ سرم کے کارکنوں کا اجتماع موضع چار گلئی عین الحق کی صدارت میں ہوا۔ ان اجلاسوں میں مندرجہ ذیل قراردادیں منظور کی گئیں۔ تمام سیاسی اسیروں کو غیر مشروط طور پر رہا کیا جائے۔ مزدوروں کی چھانٹی اور کسانوں کی بے دخلی بند کی جائے ملتان کے شہدا کا احتساب انتظامیہ سے کیا جائے۔ مارشل لاء فوراً ختم کیا جائے اور ملک میں فوری طور پر غیر جانبدارانہ انتخابات کرائے جائیں محنت کشوں پر پولیس کا تشدد بند کیا جائے۔ مالیہ کی زیادتی کا حکم واپس لیا جائے۔

آبرو سے کھیلنے والے پنجاب میں بھی سرگرم ہیں

محمد فضل جنجوعہ

زمین پھٹی نہ آسمان ٹوٹا۔۔ اور عزت لُٹ گئی

وہ برہنہ، تھر تھر کانپتی، تھانے پہنچ گئی

ملک بھر میں جرائم ایک وبا کی صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ سماج دشمن عناصر گلی محلوں میں یوں دندناتے پھرتے ہیں جیسے خونخوار بھیڑیے کسی جنگل میں۔ انہیں نہ تو خدا کا خوف ہے نہ قانون اور حکومت کا ڈر، چادر کی دھجیاں اور تصور چاردیواری کے پرخچے اڑاتے جا رہے ہیں۔ آئے دن کی تشدد و ظلم کی ہولناک کارروائیوں اور وحشت و بربریت کی بھیانک وارداتوں نے عوام کا امن و سکون برباد کر دیا ہے۔ ہر شہری ایک مجسم سوال ہے کہ کیا وہ واقعی ایک مہذب اور اسلام کے سانچے میں ڈھالے جاتے والے معاشرے میں سانس لے رہا ہے؟

امن و امان کے رکھوالے اور عوام کی کمائی ہوئی دولت سے بھاری تنخواہ پانے والے ذمہ دار افسران کا سقبہ اس انگریزی محاورے کے عین مطابق ہے کہ (LOOK BUSY AND DO NOTHING) یعنی مصروف دکھائی دینے کے علاوہ کچھ نہ کرو۔ افسروں کو جب کچھ کرنے کا شوق چراتا ہے تو وہ ایک آدھ پریس کانفرنس بلا لیتے ہیں جس میں اپنی "اعلیٰ کارکردگی" کا قصیدہ پڑھ کر اگلے روز اخبارات میں اپنے بیان اور تصویریں چھپوانے کا مشغلہ پورا کر لیتے ہیں۔

گزشتہ دنوں ایس پی صاحب کے پریس کانفرنس میں پڑھے جانے والے بیان کی سیاہی ابھی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ گوجرانوالہ سے بیس میل دور شاہراہ اعظم پر واقع اس ضلع کی تحصیل وزیر آباد کے ایک گاؤں سوہدرہ میں رات کے وقت خود کار آتشیں ہتھیاروں سے مسلح ڈاکو جن کی تعداد دس بتائی جاتی ہے ایک شخص نیاز علی کے گھر کا دروازہ توڑ کر اندر گھس گئے۔ ڈاکوؤں نے گھر کے تمام زیورات، نقدی اور کپڑے لوٹ لیے۔ گھر میں نیاز علی اس کی بوڑھی بیوی ریشماں اور ان کی دو نوجوان بہوؤں اور کم سن پوتے اور پوتی کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ نیاز علی کے دو بیٹے ہیں۔ ان میں سے ایک تو محنت مزدوری کے لیے سعودی عرب گیا ہوا ہے جبکہ دوسرا کسی سرکاری محکمہ میں ملازم ہے۔ اسے بھی اپنی ملازمت کے سلسلہ میں گھر سے باہر رہنا پڑتا ہے۔ اس سنگین اور ہیبت ناک واردات کا سب سے المناک پہلو یہ ہے کہ ڈاکوؤں نے نیاز علی کے گھر کا تمام اثاثہ لوٹ لینے کے بعد اس کی دونوں بہوؤں سلیمہ اور صغراں کو چارپائیوں کے ساتھ باندھ دیا اور رات بھر ان کی آبرو سے کھیلتے رہے۔

بوڑھا نیاز علی اور اس کی ناتواں بیوی ریشم بی بی ڈاکوؤں کے آگے ہاتھ جوڑتے رہے کہ گھر سے سب کچھ لے جاؤ لیکن ہماری عزت برباد نہ کرو۔ ڈاکوؤں نے ان دونوں کو خاموش کھڑے رہنے کا حکم دیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی آبرو کی دھجیاں اڑاتے رہے۔ اس دلخراش منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے ریشماں اور نیاز علی بے ہوش ہو گئے۔ جب ڈاکو اس حرماں نصیب گھرانے کی آبرو سلیمہ اور صغراں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا رہے تھے تو سلیمہ کا ننھا بچہ جس کی عمر پانچ سال ہے خوفزدہ ہو کر گھر سے باہر بھاگ گیا۔ اس معصوم میں اگر طاقت ہوتی تو یقیناً وہ اپنی جان پر کھیل جاتا۔ اور اپنی آن پر آنچ نہ آنے دیتا۔ اس واردات سے علاقہ میں خوف و ہراس پھیل گیا ہے۔ لوگ الاماں الاماں پکار اٹھے ہیں۔ پولیس نامعلوم وجوہات کی بنا پر اس واردات کو صیغہ راز میں رکھ رہی ہے۔ یہ گیارہ اور بارہ فروری کی درمیانی رات کا واقعہ ہے لیکن تاحال اس سنگین اور گھناؤنے جرم کے مرتکب افراد کا کوئی سراغ نہیں لگایا جا سکتا۔

اس واردات کے اگلے روز گوجرانوالہ شہر میں دن دہاڑے حافظ آباد روڈ پر واقع محلہ شریف پورہ کے ایک شخص ابراہیم نے خود اپنی بیوی کی اعانت سے گلی سے گزرنے والی ایک محلہ دار اور شادی شدہ غریب عورت محمودہ بیگم کو اندر بلا کر زبردستی اس کی آبرو لوٹ لی۔ بیچاری محمودہ کی چیخیں بلند ہوتی رہیں لیکن نہ تو قانون اس کی مدد کو آیا اور نہ ہی محلے والے ابراہیم کے خوف کی وجہ سے مداخلت کر سکے۔ تاہم محمودہ کے خاوند کی اطلاع پر پولیس نے رپٹ درج کر لی ہے۔ لیکن ابھی تک ملزم کو گرفتار نہیں کیا گیا۔

گزشتہ روز صوبائی دارالحکومت لاہور میں بھی یہ واقعہ رونما ہوا کہ سرداراں بی بی ننکانہ کے چک نمبر ۱۲ کی رہنے والی ہے۔ اس کا خاوند نذیر کوٹ لکھپت جیل میں نظر بند ہے۔ کل ضلع لاہور کی کسی عدالت میں نذیر کی پیشی تھی۔ سرداراں نے پیشی کے دوران کچہری میں اپنے خاوند سے ملاقات کی۔ جسے قیدی کی حیثیت سے عدالت میں لایا گیا تھا۔ سرداراں اسی غرض سے اپنے گاؤں سے لاہور آئی تھی۔ ملاقات کے وقت بادامی باغ لاہور کا ایک شخص سردارا بھی کچہری میں گھوم رہا تھا۔ سردارے نے نذیر کے جیل چلے جانے کے بعد اس کی روتی ہوئی رفیقہ حیات کو تسلی دی اور کہا کہ وہ اس کے خاوند کو کل ہی ضمانت پر رہا کرا دے گا۔ ملزم اس سیدھی سادی دیہاتی خاتون کو اس کے خاوند کی ضمانت کا بندوبست کرنے کے بہانے اپنے گھر بادامی باغ لے گیا۔ وہاں سے اس نے رفیق نامی شخص کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ سردارا اور رفیق پانچ بجے شام سرداراں کو ٹھیکیدار رشید کے گھر لے گئے۔ جہاں ٹھیکیدار رشید اور ایک اور شخص منہا گڈو ایک علیحدہ کمرے میں بیٹھے شراب پی رہے تھے سرداراں کو اسی کمرے میں ایک طرف بٹھا کر رفیق اور سردارا بھی شراب پینے لگے۔ ان چاروں کو شراب پیتے اور بہکی بہکی باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر سرداراں پریشان ہو گئی۔ اس نے خوفزدہ ہو کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن ٹھیکیدار رشید نے دروازے کو اندر سے بند کر کے تالا لگا دیا اور خنجر دکھاتے ہوئے دھمکی دی کہ آرام سے بیٹھی رہو ورنہ ہم تمہیں جان سے مار ڈالیں گے۔ شراب نوشی سے فارغ ہو کر چاروں بدمعاش

بے چاری سرداراں کو باہر لے آئے۔ گلی میں آکر سرداراں نے بہت چیخ و پکار کی لیکن بدمعاشوں کے خوف سے کوئی بھی اس کی مدد کو نہ آیا۔ بعدازاں ملزمان مصیبت زدہ بے بس خاتون کو زبردستی ایک ویران جگہ پہ لے گئے۔ جہاں مزاحمت کرنے پر شراب کے نشے میں بدمست ان درندوں نے سرداراں کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اسے مادرزاد برہنہ کر کے یکے بعد دیگرے اپنی جنسی ہوس کا نشانہ بناتے رہے۔ جب ملزموں نے اسے آزاد کیا تو وہ ان درندوں سے جان چھڑا کر برہنہ حالت میں نیم پاگلوں کی طرح بھاگ نکلی۔ وہ کئی انسانی بستیوں میں سے گزرتی ہوئی تھانے پہنچی اور تھانیدار کے سامنے خوف سے تھر تھر کانپتی ہوئی فریاد کناں ہوئی۔

مورخہ چودہ فروری کو منگلپورہ لاہور میں رہائش پذیر ایک چوکیدار کی پندرہ سالہ بیٹی زہرہ بی بی کو ریلوے پولیس لائنز کے کانسٹیبل محمد انور نے اغوا کر لیا۔ نہ تو ابھی تک زہرہ بی بی برآمد کی گئی ہے اور نہ ہی انور کو گرفتار کیا گیا ہے۔ اسی طرح مصری شاہ کے عزیز الرحمان نامی شخص نے چھ سالہ محمد اعجاز کو اس وقت زبردستی اغوا کر لیا جبکہ اس کا باپ محمد اشرف روزگار کے سلسلے میں کراچی گیا ہوا تھا۔ عزیز الرحمان معصوم بچے کو اٹھا کر اپنے مکان میں لے گیا۔ دروازے بند کر کے اس نے کم سن بچے کے ساتھ بداخلاقی کی۔ بچے کی چیخ و پکار سن کر محلیدار مکان کے باہر اکٹھے ہو گئے۔ جنہیں دیکھ کر ملزم فرار ہو گیا۔

چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو اغوا کر کے حراست میں رکھا جاتا ہے۔ انہیں ہوس کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ان کے والدین سے بھاری رقوم طلب کی جاتی ہیں۔ کچھ دن یہ سلسلہ چلتا ہے۔ بعدازاں بچے کی لاش کسی گندے جوہڑ میں تیرتی ہوئی یا کسی بوری میں بند پائی جاتی ہے۔ پپو اور ترنم کے وحشیانہ قتل سے کون آگاہ نہیں ہے۔

اغوا، قتل، چوری، ڈاکہ اور غنڈہ گردی کی وارداتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ سماج دشمنوں کی سرگرمیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ شہر ہوں یا دیہات ہر جگہ لوگ اپنے آپ کو عدم تحفظ کا شکار محسوس کر رہے ہیں۔

پاکستان مزدور کسان پارٹی کے صدر اسحاق محمد کا انٹرویو

عوامی مسائل، بائیں بازو کا اتحاد اور خود انحصاری

میاں محمد شریف زاہد

گذشتہ دنوں پاکستان مزدور کسان پارٹی کے سربراہ ریٹائرڈ میجر اسحاق محمد نے ضلع گجرات کا دورہ کیا تو منڈی بہاؤالدین بھی تشریف لائے۔ میں ان سے خصوصی ملاقات کے لئے گیا۔ میرے اصرار پر وہ انٹرویو دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ انٹرویو کامریڈ محمد رمضان جانی کی رہائش گاہ پر لیا گیا۔

سوال: اس وقت بائیں بازو کے اتحاد پر کافی زور دیا جا رہا ہے اس پر آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: بائیں بازو کا اتحاد اس وقت بہت ضروری ہے لیکن اس کو عمل میں لانا بڑا محنت طلب اور سمجھ بوجھ کا کام ہے۔ سب سے پہلے تو بائیں بازو کے عناصر کو ایک دوسرے کا احترام کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بغیر نظریاتی مباحثہ نہیں ہو سکتا اور نظریاتی مباحثہ نہیں ہو گا تو حکمت عملی اور تدبیری معاملات میں مشترک سوچ نہیں بن سکتی جو دیرپا اور موثر اتحاد کی بنیاد ہوتی ہے لیکن اس اتحاد کے لئے اس انتظار میں نہیں بیٹھنا چاہیئے کہ نظریاتی افہام و تفہیم کا انتظار کیا جائے بلکہ محنت کشوں کے روزمرہ کے معاملات میں مثلاً مزدوروں کسانوں کی جدوجہد مہنگائی کے خلاف احتجاج۔ لاقانونیت کا مقابلہ اور دوسرے معاملات میں بائیں بازو کا اشتراک فوری طور پر شروع ہو جانا چاہیئے۔ ایک بات جس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ملک کے سارے بائیں بازو کے عناصر کو ایک ہی متحدہ محاذ بنانے کی کوشش نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ایسے محاذ میں متفقہ رائے میں کام کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ سب سے زیادہ اصلاح پسند پارٹی کی سطح پر اس اتحاد کو قائم کیا جائے یہ اتحاد نظریاتی

طور پر کئی سطحوں پر ہو گا۔

سوال: بائیں بازو کے اتحاد پر کوئی بات چیت ہو رہی ہے؟

جواب: بائیں بازو کے اتحاد پر مرکزی سطح پر گفتگو ہو رہی ہے اور بڑی تیزی کے ساتھ ہم اتحاد کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہماری پارٹی نے اپنے کارکنوں کو ہدایت دے دی ہے کہ وہ مقامی سطح پر بائیں بازو کے کارکنوں سے مل کر کام کریں۔

سوال: کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ کن کن لیڈروں سے آپ کی اتحاد سے متعلق بات چیت ہوئی ہے۔

جواب: ابھی اس بات کو صیغۂ راز میں رکھا جا رہا ہے۔ جونہی افشا کرنے کا وقت آئے گا آپ کو اس کا علم ہو جائے گا۔ ایک بات بتا دوں کہ جس بھی لیڈر سے اتحاد کی بات کی جاتی ہے وہ اس پر فوراً آمادہ ہو جاتا ہے۔

سوال: پاکستان میں بائیں بازو کی تیس سالہ جدوجہد کیا ہے؟

جواب: پاکستان میں بائیں بازو کی تیس سالہ جدوجہد کو میں تین ادوار میں تقسیم کروں گا۔ پہلا دور ۱۹۶۰ء میں شروع ہونے والی دہائی کے آخری سالوں تک رہا اس میں ملک کے بائیں بازو کے عناصر اپنے آپ میں خود اعتمادی نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ مختلف قسم کے سرمایہ دار اور جاگیردار عناصر کے زیر سایہ اپنی سیاست کر رہے تھے۔ دوسرا دور جو تقریباً سات آٹھ سال رہا۔ بائیں بازو میں زبردست تفہیم اور تنظیم نو کا دور تھا۔ یہ دور ۱۹۷۶ء میں ختم ہو گیا۔ ۱۹۷۷ء میں ملک کے محنت کش عوام کے شعور میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ عوام کو اپنی طاقت کا احساس ہوا اور ریاستی تشدد کے مقابلے میں بڑی بہادری سے میدان میں اتر آئے اب بائیں بازو کی سوچ میں بہتری ہوئی ہے ان کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوا ہے اور یہ جذبہ پیدا ہوا ہے کہ خود انحصاری کی بنیاد پر بائیں بازو کو بطور تیسری طاقت کے ابھرنا چاہیئے

بازگشت

امر جلیل

کچھ سچ کچھ جھوٹ

میں خواب نہیں دیکھتا۔

رات کا پچھلا پہر تھا۔ ذہن مضطرب تھا۔ دل سینے کے پنجرے میں مقید پرندے کی طرح تڑپ رہا تھا۔ رُوح تھی کہ تصوّر کے صحراؤں میں سرابوں کے پیچھے دوڑ رہی تھی ہم بیراگی اپنے کشکول میں نیند کی بھکشا نہیں لیتے۔ میں جاگ رہا تھا۔ تب اچانک میں نے درد میں ڈوبی ہوئی آواز کی بازگشت سُنی۔ مدّھم صدا کے الفاظ مبہم تھے سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ میں نے کھڑکی سے جھانک کر باہر کی طرف دیکھا۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ محوِ خواب تھا۔ میں جاگ رہا تھا اور درد میں ڈوبی ہوئی صدا کی بازگشت سُن رہا تھا۔ اس بازگشت کا تعلق میرے احساسات سے تھا۔ جب زمیں کے لوگ بے حس ہو جاتے ہیں۔ تب درد میں ڈوبی ہوئی صداؤں کی بازگشت آسمانوں کے مقبروں سے سنائی دیتی ہے۔ میں نے آسماں کی طرف دیکھا۔ سردی سے ٹھٹھرے ہوتے ستارے چراغِ گور کی مانند ٹمٹما رہے تھے۔ دُور افق کے ماتھے پر میں نے خون کی لکیر دیکھی۔ سینے کی تاریک گپھاؤں کا تنہا اسیر دل بجھ گیا۔ بازگشت کے الفاظ واضح ہونے لگے۔ سمجھ میں آنے لگے۔ کوئی شہد سے شیریں اپنی ننھی مُنّی آواز میں ترنم سے سسک رہا تھا۔

"آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ
وہ باغ کی بہاریں چڑیوں کا چہچہانا"

آج سے ۷۵ برس پہلے علامہ اقبال نے ایک اسیر پرندے کی خاموش فریاد کو زبان دی تھی۔ کیا ۷۵ برس بعد پھر کسی صیاد نے جال بچھایا ہے۔ پھر کسی پرندے کو مقید کیا ہے کہ اسیر پرندے کی خاموش فریاد کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ کیا پھر وہی مردِ کامل بادشاہی مسجد کے ایوانوں میں کھڑا ہے اور اسیر پرندے کی خاموش فریاد کو زبانِ درد و الم دے رہا ہے!

"آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی
اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا
لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم
شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا مسکرانا"

میں ویران راستوں پر نکل آیا۔ میں نے مردِ کامل کو آواز دی۔ "میں بیراگی ہوں۔ میں اسیر پرندے کی فریاد کی بازگشت سُن سکتا ہوں۔ کہاں ہے وہ۔ کس صیاد نے اس کو قید کیا ہے۔ کس جلاّد نے اس کی مُنّی سی جان کو شکنجوں میں جکڑ رکھا ہے۔"

میری آواز مارگلہ کی چٹانوں سے سر ٹکرا کر خاموش ہو گئی۔ پھر سے سنّاٹا چھا گیا۔ پھر سے اسیر پرندے کی فریادِ درد کی بازگشت آنے لگی۔

"وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت
آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانہ
آتی نہیں صدائیں اس کی مرے قفس میں
ہوتی میری رہائی اے کاش میرے بس میں"

میں نے آسمان پر خون کی لکیر کی طرف دیکھتے ہوئے مردِ کامل سے کہا: "مارگلہ کے پہاڑ طورِ سینا نہیں اور میں موسیٰ نہیں۔ میں ان پہاڑوں کی بلندیوں پر چڑھ کر تجھ سے مخاطب نہیں ہو سکتا کہ تو خدا نہیں اور میں تیری تجلّی کا پرستار نہیں۔ تو نے جس اسیر پرندے کی بے زبانی کو زبان دی تھی وہ کسی صیاد کے قفس میں ہے میں اس کی فریاد کی بازگشت سن سکتا ہوں۔ اے مردِ کامل، وہ کامل کہاں ہے۔"

خاموشی۔ سناٹا۔ چراغِ گور کی مانند ٹمٹماتے ہوتے کچھ ستارے۔ آسمان کی سیاہی میں خون کی لکیر۔ اگمرد و نواح میں کچھ غیر معمولی ہو رہا ہے۔ زمیں رو رہی ہے۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ سکوت کے عالم میں بین کر رہا ہے۔ کہیں کسی بےکس کا مکاں جل رہا ہے۔ کہیں کسی کی شمعِ زندگی بجھ رہی ہے۔ کہیں کوئی ممتا نوحہ خواں ہے۔

پھر مجھے کائنات میں تغیّر کا احساس ہونے لگا۔ زمین کی جنبش سے میری روح کانپنے لگی۔ صدائے درد کی بازگشت ارض و سما میں گونجنے لگی۔ اذیت کے عذاب نے پرندے کی فریاد کے الفاظ کو مسل ڈالا۔

"کیا بدنصیب ہوں میں گھر کو ترس رہی ہوں
ساتھی تو ہیں وطن میں میں قید میں پڑی ہوں
آئی بہار کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں
میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہی ہوں"

میں تڑپ اٹھا۔ میں نے مردِ کامل سے کہا: "اے مردِ کامل! دیکھ کہ تیرے خوابوں کے وطن سے انسانیت کا جنازہ اٹھ رہا ہے۔ دیکھ کہ تیرے خوابوں کے وطن سے پرندے جوق در جوق کوچ کر رہے ہیں۔ دیکھ کہ تمام خوبصورتی تیرے وطن سے رخصت ہو رہی ہے۔ دیکھ کہ عجز چارہ گر پھول پر دلاتے ہیں تلواروں میں"

اور پھر ارض و سما کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی صدائیں کی بازگشت آوازیں، سرگوشیاں اور صدائیں پرندے کی المناک صدائے بازگشت میں ڈوب گئیں۔

"اس قید کا الٰہی دکھڑا کسے سناؤں
ڈر ہے یہیں قفس میں میں غم سے مر نہ جاؤں
جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے
دل غم کو کھا رہا ہے غم دل کو کھا رہا ہے
گانا اسے سمجھ کر خوش ہوں نہ سننے والے
دکھتے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے
آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے
میں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے"

اور پھر جب پرندے نے دم توڑ دیا اور اس کی منّی سی نعش بوری سے برآمد ہوئی تب سورج وقت سے بہت پہلے ڈوب گیا۔ اور دوسرے روز سورج بہت دیر سے طلوع ہوا۔ اس کی کرنیں بجھی ہوئی تھیں۔ لوگوں نے دن میں قمقمے جلائے تھے کہ اس روز اندھیرے کا احساس بڑھ گیا تھا۔

■

مِس بے نظیر بھٹو

سے الفتح کا خصوصی انٹرویو

پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور قائم مقام چیئرمین بیگم نصرت بھٹو کی صاحبزادی مس بے نظیر بھٹو چند دنوں سے اخبارات کی شہ سرخیوں کا موضوع بنی ہوئی ہیں۔ اس کی تازہ وجہ ان کا دورۂ سندھ اور انہیں پارٹی کا قائم مقام چیئرمین بنانے کی تجویز ہیں۔ آئندہ جو بھی صورت حال ہو یہ طے شدہ بات ہے کہ مس بے نظیر بھٹو پیپلز پارٹی کے پلیٹ فارم سے ملکی سیاست میں اہم کردار ادا کریں گی۔ قارئین کو علم ہے کہ سرکاری احکام کی بنا پر مس بے نظیر کو اپنا دورۂ سندھ نامکمل چھوڑ کر کراچی واپس آنا پڑا۔ ہم نے اس موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سے ملاقات کرنے اور ان کے خیالات جاننے کا فیصلہ کیا اور بدھ (۲۲ فروری) کی شام کو ۷۰ کلفٹن پہنچے۔

وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ مس بے نظیر خواتین اور دوسرے کارکنوں سے گفتگو میں مصروف ہیں۔ ہم نے اپنی آمد اور مقصد کی اطلاع ان تک پہنچوائی تو کچھ دیر انتظار کرنے کا پیغام ملا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ملاقاتیوں کو رخصت کر کے ہمارے پاس آئیں۔ تھوڑی دیر میں اندازہ ہو گیا کہ وہ بہت زیادہ مصروف ہیں۔ ہم نے وعدہ کیا کہ اگر وہ آئندہ تفصیلی ملاقات کے لئے تیار ہوں تو اس وقت ہم چند مختصر سے سوالوں پر اکتفا کریں گے۔ انہوں نے کہا یہ ٹھیک ہے۔

میرا پہلا سوال ان کے دورۂ سندھ کے بارے میں تھا۔ مس بے نظیر بھٹو نے آکسفورڈین انگلش میں جواب دیتے ہوئے بتلایا کہ سندھ کے دورے میں لوگوں نے جس والہانہ طریقے پر ان کا استقبال کیا اس کے اظہار کے لئے ان کے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ یہ تو دیکھنے کی چیز تھی۔ انہیں یہ دیکھ کر خوشگوار حیرانی کا احساس ہوا کہ بغیر کسی اعلان کے وہ جہاں بھی پہنچیں علاقے کی پوری پوری آبادی، عورتوں اور بچوں سمیت، راستوں پر آ نکلتی آتی تھی۔ اس صورت حال کو دیکھنے والا ہر فرد اسی نتیجے پر پہنچتا کہ سندھ میں پیپلز پارٹی کے علاوہ کسی اور جماعت کا وجود نہیں ہے۔ دوسری جماعتوں کی حیثیت ڈرائنگ روم میں سجے ہوئے ڈھانچوں سے زیادہ نہیں۔

سندھ کے عوام کے سیاسی شعور کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مس بے نظیر نے کہا کہ سندھ کے دیہات کے لوگوں کا شعور بہت بلند ہے اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ہم نے کہیں بھی اپنی طرف سے کسی کے خلاف کوئی نعرہ نہیں دیا۔ اس کے باوجود لوگوں نے خود ان لوگوں کے خلاف نعرے لگائے جو منفی طریقوں سے خود کو اہم ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے لوگ نہ صرف واقف ہیں بلکہ اس کے بارے میں اپنی واضح رائے رکھتے ہیں اور بیباکی کے ساتھ اس کا اظہار کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ لوگ جو آنکھوں کی روشنی حاصل کرنے کے لئے غیر ممالک کے چکر کاٹتے ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ غیر ممالک کی یاترا کی بجائے سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کے لوگوں کے پاس جائیں وہ نہ صرف انہیں آنکھوں کی روشنی بلکہ سیاسی بصیرت بھی بخشیں گے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ عوام پیپلز پارٹی کے ساتھ ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ ذوالفقار علی بھٹو نے سچے دل سے عوام کی خدمت کی ہے۔ وہ موجودہ مشکلات کو بھی سمجھتے ہیں یہ بھی جانتے ہیں کہ مسٹر بھٹو کو ان سے الگ کر دیا گیا ہے لیکن یہ یقین بھی رکھتے ہیں کہ مسٹر بھٹو ہی آ کر ان کے دکھ درد کا مداوا کریں گے۔

مس بے نظیر نے بتلایا کہ جب وہ پنجاب کے دورے پر گئی تھیں تو وہاں لوگوں کی بے پناہ وابستگی کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں۔ اب یہی جذبہ سندھ میں نظر آیا۔ ان کی والدہ بیگم نصرت بھٹو سرحد پہنچی تھیں تو بھی یہی صورت دیکھنے میں آئی تھی۔ انہوں نے افسوس کے ساتھ کہا کہ "آپ جانتے ہیں کہ ہماری نقل و حرکت پر کتنی پابندیاں لگی ہوئی ہیں۔ لگتی رہتی ہیں، وقت ملنے پر ہم بلوچستان بھی جائیں گے۔" انہوں نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ چاروں صوبوں کے عوام کی سوچ ایک ہے۔ وہ سب سامراج اور اس کے ایجنٹوں کے دشمن ہیں۔

سندھ کے باقی علاقوں کا دورہ کرنے سے روکنے اور کراچی تک سرگرمیوں کو محدود کرنے والے احکام پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی

پاکستان اندرونی اور بیرونی سازشوں کی لپیٹ میں ہے

پی پی پی کو بین الاقوامی منصوبے کا نشانہ بنایا گیا ہے

صاحبزادی نے کہا کہ "ہم پر وقتاً فوقتاً پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ ان کا کوئی جواز نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت پیپلز پارٹی کے ساتھ ایک معیار اور دوسری جماعتوں کے ساتھ دوسرا معیار برت رہی ہے۔ بہرحال ہم مایوس نہیں ہیں۔ ان رکاوٹوں سے ہمارے حوصلے پست نہیں ہوں گے۔ عوام سے رابطہ قائم کرنے سے ہمیں کوئی نہیں روک سکتا جب بھی موقع ملا میں پہلی فرصت میں سندھ کے باقی علاقوں میں جا کر لوگوں سے ضرور ملوں گی۔ میں آپ کو یاد دلاؤں کہ چیئرمین بھٹو نے رابطۂ عوام کے سلسلے میں ایک دورے میں ایک مقام پر لوگوں سے کہا تھا کہ "آج چونکہ میں وزیر اعظم ہوں تو آپ لوگوں کے پاس ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر کے ذریعے ملاقات کرنے آیا ہوں۔ یقین رکھیں کہ اگر وقت آیا تو میں ننگے پاؤں بھی آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ میرا اور آپ کا ساتھ اٹوٹ ہے۔" اس وقت جب کہ بھٹو صاحب جیل میں ہیں تو میں ان کی بیٹی، لوگوں کے پاس جا رہی ہوں تاکہ ان کے دکھ درد معلوم کر سکوں اور دلاسہ دوں کہ دکھوں کے دن ختم ہو جائیں گے۔ اور یہ یقین دلاؤں کہ بھٹو صاحب کو لوگوں کی تکلیفوں کا بھرپور احساس ہے۔"

مس بے نظیر نے کہا کہ بھٹو خاندان نے خود کو عوام کے لئے وقف کر دیا ہے اور اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ لوگوں کے دکھوں کا علاج عوام کے حقوق کی جلد از جلد بحالی میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ واضح کر دینا چاہتی ہیں کہ عوام کی وابستگیوں اور ہمدردیوں کو لالچ یا طاقت کے ذریعے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ عوام کی حکمرانی کا دور ضرور آئے گا۔

ہم نے مس بے نظیر سے موجودہ صورت حال کا تجزیہ کرنے کو کہا تو انہوں نے اس کو بے حد تشویشناک قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ ایک طرف سیاسی ناآسودگی ہے اور دوسری طرف اقتصادی دباؤ ہے۔ تیسری طرف امن و امان کی صورت حال میں انحطاط ہے۔ یوں لگتا ہے کہ پوری انتظامی مشینری پی پی پی کے رہنماؤں کے پیچھے لگی ہوئی ہے اور افراتفری کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ اس صورت حال سے تمام لوگ خاص طور پر مزدور کسان اور دوسرے محنت کش لوگ پریشان اور غیر مطمئن ہیں۔

بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں مس بے نظیر نے کہا کہ اب یہ بات واضح ہوتی جا رہی ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کو بین الاقوامی "منصوبے" کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ بھٹو صاحب نے اپنی کوششوں سے بین الاقوامی سطح پر ملک کی عزت و وقار میں جو اضافہ کیا تھا اس پر بلڈوزر پھیرا جا رہا ہے۔ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ جو بنیادی وجہ نزاع تھا اس کے سودے پر نظر ثانی کی جا رہی ہے اس سلسلے میں پی پی پی کی طرف سے کئی بار اندیشوں کا اظہار کیا جا چکا ہے لیکن قوم کو اس معاملے میں ناواقف رکھا جا رہا ہے۔ دفتر خارجہ نے بھی کوئی اطمینان بخش وضاحت نہیں کی ہے۔ یہ خطہ اب بین الاقوامی توجہات کا مرکز بنتا جا رہا ہے۔ جمی کارٹر اور کالاہان کا ہندوستان کا دورہ، کالاہان اور باجپائی کا دورۂ پاکستان کیوں ہو رہے ہیں؟ کالاہان آتے ہیں تو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان مشترکہ آبپاشی نظام کی بات کرتے ہیں، جمی کارٹر صاحب سیلاب کے بارے میں پیشگی انتباہ کے مشترکہ نظام کی بات کرتے ہیں۔ علاقائی مشترکہ منڈی کا چرچا ہوتا ہے یہ مشترکہ، مشترکہ کی رٹ کیوں لگائی جا رہی ہے۔ کارٹر اور

لوگوں کے دکھوں کا علاج عوامی حقوق کی بحالی میں ہے

کالاہان کے دورے سیر و تفریح کے لئے نہیں ہیں۔ آج جو لوگ ہندوستان اور پاکستان کے مشترکہ منصوبوں کی بات کر رہے ہیں کل شاید ہندوستان اور پاکستان کو متحد کرنے کی بات کرنے والے ہیں۔ یہ نظر آ رہا ہے کہ کچھ بین الاقوامی طاقتیں پاکستان کی اہمیت کو کم کرنا چاہتی ہیں اور پاکستان کو ہندوستان کی نیم نو آبادی بنانے کی سازش کر رہی ہیں

اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کو دولت مشترکہ میں شامل کرنے کی بات چل رہی ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ برطانیہ میں مسٹر تھیچر اور دوسرے لیڈر یہ کہہ رہے ہیں کہ تارکین وطن کو انگلستان سے نکالا جائے۔ ان حالات میں دولت مشترکہ میں شمولیت کی تحریک چلا کر ملک و قوم کی تذلیل اور تحقیر کی جا رہی ہے۔

انہوں نے کہا کہ وہ پاکستان کے عوام کو ہوشیار کرنا چاہتی ہیں کہ ملک کو ہندوستان کی نیم نوآبادی اور طفیلی ریاست بنانے کی مکروہ سازشیں کی جا رہی ہیں۔ پاکستان پر ہندوستان کی بالادستی تھوپنے کی کوشش کی جا رہی ہے انہوں نے یقین ظاہر کیا کہ پاکستان کے عوام اس کو قبول نہیں کریں گے اور اس سازش کا مقابلہ کریں گے۔

مس بے نظیر نے کہا کہ یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ پاکستان ایک چھوٹا ملک ہے۔ مگر پاکستان

پیپلز پارٹی کے ساتھ ایک معیار اور دوسری جماعتوں کے لئے دوسرا معیار برتا جا رہا ہے!

چھوٹا ملک نہیں ہے۔ ہمارے عوام خود کو چھوٹا محسوس نہیں کرنا چاہتے۔ ملکوں کی چھوٹائی بڑائی زمین کی وسعت سے نہیں ہوتی، دنیا میں کوئی بھی اس پیمائش اور معیار کو نہیں مانتا۔ ملک کی بڑائی ملک کے عوام اور وسائل ہوتے ہیں۔ پاکستان کے ۷ کروڑ عوام ناقابل شکست ہیں ملک قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ لوگ تکنیکی مہارت سے بھرپور ہیں۔ بھٹو صاحب نے معدنی وسائل کی تلاش پر خصوصی توجہ دی تھی اور اس کی منصوبہ بندی کی تھی۔ جس کے نتیجے میں تیل کی موجودگی کا ثبوت فراہم ہوا۔ بھاری صنعتوں کو بنیاد فراہم کرنے کے لئے اسٹیل مل کے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا۔

مس بے نظیر نے کہا کہ بھٹو صاحب کو ہٹا دیا گیا ہے مگر وہ مطمئن ہیں کہ عوام اور تیسری دنیا کے خلاف سب سازشیں ناکام ہوں گی اور پاکستان میں پھر عوام فتحیاب ہوں گے۔

چھوٹا منہ بڑی بات

ابو ضیا اقبال

حضرت سائمن ہینڈرسن کہ پاکستان میں بی بی سی کے نمائندے کے فرائض انجام دیتے ہیں، بے پناہ بصیرت کے مالک ہیں اور حالات کے نتائج اخذ کرنے میں یہ طولیٰ رکھتے ہیں۔ جنگ ۱۹۶۵ء کے دوران بی بی سی کے شہرۂ آفاق کرامات داد تحسین حاصل کر چکے ہیں اور اس لیے اس کی صداقت پسندی شک و شبہ سے بالاتر قرار پاتی ہے — لگائیے نعرہ!

مذکورہ بالا ہمہ صفت موصوف نے اپنی بڑ بولی کاکی المعروف بہ برٹش براڈکاسٹنگ کارپوریشن کو ایک ہی سانس میں دو اطلاعات فراہم کیں۔ ایک یہ کہ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ میں جناب بھٹو کو مورد الزام قرار دیا گیا ہے دوسری یہ کہ پیپلز پارٹی کو اس کی اشاعت پر اعتراض نہیں ہے بشرطیکہ پوری شائع کی جائے۔ بی بی سی کو ندائے حق سمجھنے والے ایک اینٹی بھٹو ازم بزرگوار سے راقم السطور نے دست بستہ عرض کی کہ پیپلز پارٹی والوں کے دماغ میں کیڑا کیوں رینگ رہا ہے کہ جب رپورٹ شائع ہو جانے پر ان کے لیڈر کا دھڑن تختہ ہو سکتا ہے تو' وہ بزرگوار بڑے صالحانہ پوز کے ساتھ گویا ہوتے "میاں، سائمن بیٹے کی پہلی بات مخبرانہ ہے اور دوسری صحافیانہ"۔

جامع مسجد دہلی کے امام مولانا سید عبداللہ بخاری نے فرمایا ہے کہ انہوں نے عام انتخابات میں جنتا پارٹی کی حمایت کر کے مسلمانوں کے لیے غدار کا کردار ادا کیا ہے (جنگ، ۱۴ فروری) مولانا بخاری نے بھارت میں مسلمانوں کی سب سے بڑی (بزعم) جماعت یعنی جماعت صالحین ہمشیرہ جماعتِ صالحین آف پاکستان کے امیر کی ملک سے عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ بیان دے ڈالا ہے۔ جماعت اسلامی بھارتیہ نہ صرف جنتا پارٹی میں شامل ہے بلکہ ملک سے باہر اس کے ہراول دستہ کے فرائض بھی انجام دیتی ہے لہٰذا اس کے رہنما کی ملک میں موجودگی میں امام صاحب مذکور حکمران پارٹی کے خلاف ہرزہ سرائی کہاں کر سکتے ہوں گے؟ کیا انہیں احتساب کا ڈر نہیں؟ لیکن انہیں شاید علم نہیں ہے کہ مولانا یوسف صاحب کے پیر و مرشد کس پایہ کے دانائے راز ہیں۔ کیا مولانا صاحب ان کی بریفنگ سے مستفید نہیں ہو سکتے اور کیا جنتا پارٹی کے وزیر خارجہ شری اٹل بہاری باجپائی پاکستان تشریف نہیں لائے ہیں؟

جناب مفتی محمود جنرل ضیاء الحق صاحب کی قومی اتحاد کے لیڈروں کو بریفنگ کے اجلاس میں شرکت کے لیے راولپنڈی پہنچے تو اخبار نویسوں کو مژدہ سنایا کہ پاکستان انتخابات سے قبل یا بعد دولت مشترکہ میں شامل ہو جائے گا (جنگ ۵ فروری) اور سرکاری ترجمان نے اجلاس کے بعد اخبار نویسوں کو بتایا کہ اس بات کا فیصلہ حکومت کرے گی (جنگ ۶ فروری)

راقم السطور کا ہمزاد بھی حالات سے نتائج اخذ کرنے میں بھائی سائمن ہینڈرسن سے کیا کم ہے! چنانچہ اس نے جھٹ ٹائپ رائٹر پر بیٹھ کر جھٹ سے رپورٹ ٹائپ کی کہ منتخب حکومت جب بھی بنے گی اور اس کے سربراہ مولانا مفتی محمود ہوں گے۔ وضاحت اس نے یوں کی (راقم السطور کی جواب طلبی پر) کہ جب جناب مفتی محمود نے دولت مشترکہ میں شمولیت کی ضمانت دے ہی دی ہے اور ضمانت جنرل صاحب نے بھی دی ہے کہ فیصلہ منتخب حکومت کرے گی تو نتیجہ یہ نکلا کہ منتخب حکومت مفتی صاحب چلائیں گے (بنائیں گے نہیں کہ بنی بنائی ملے گی)۔

"شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار" کی بات جب بھی نکلتی ہے تو وفاداروں پر رشک اور شاہوں پر ترس منوں کے حساب آتا ہے۔ کیسے قسمت کے دھنی ہوتے ہیں یہ وفادار کہ جھٹکا ہونے تک شاہ کو مرغا بنائے رکھتے ہیں اور کیسے سادہ لوح ہوتے ہیں شاہ کہ ہنسی خوشی سان پر چڑھ جاتے ہیں۔

برسبیل تذکرہ، وفاداروں کے ایک سرخیل نے سلیقہ اللہ کے احتساب کا بڑا ناقدانہ تجزیہ پیش کیا ہے کہ چونکہ ٹربیونلز کے سامنے پیش کیے جانے والے ۸۹ سیاستدانوں میں سے تین کا تعلق حزب اختلاف سے ہے' اس لیے اس معاملے میں مکمل غیر جانبداری برتی گئی ہے۔ حیرت اس شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار کی تازہ ترین تصنیف پر نہیں ہے کہ پلٹنگ کا کام اسی طرح چلتا ہے۔ حیرت ان قارئین کے کمزور حافظے پر ہے جو ان تصنیفات کو ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں لیکن وہ بے چارے بھی کیا کریں! پلٹنگ کی

تکنیک سے واقف ہوتے تب نا —!

احمد پور شرقیہ کے نمائندہ جنگ کو معلوم ہوا ہے کہ امیر بہاولپور الحاج بریگیڈیر محمد عباس خاں عباسی کو دوبارہ پنجاب کا گورنر بنایا جائے گا۔ روزنامہ "جنگ" نے اپنے اس نامہ نگار کی اتنی اہم خبر کو تیسرے صفحے پر ایک کونے میں لگایا ہے (۶ رفروری) اور یہ وہ صفحہ ہے جسے بہت کم لوگ پڑھتے ہیں۔ بوجوہ اداریہ اور مضامین — سوائے قطعہ کے۔ یہ اس نامہ نگار کے ساتھ نا انصافی ہے جیسے اسلام آباد، راولپنڈی، کراچی، لاہور، پشاور اور کوئٹہ کے نامہ نگاروں جیسی اہمیت نہیں دی جا رہی ہے جو عموماً سرکاری اعلانوں کے بعد غیر معمولی نوعیت کی خبریں بھیجتے ہیں کہ عافیت اسی میں ہے۔

جناب اصغر خاں نے پاکستان پیپلز پارٹی کے ساتھ ممکنہ تعاون کے لیے شرط یہ رکھی ہے کہ وہ اپنا اندازِ فکر بدل دیں اور صرف جناب بھٹو کی ۵۰ ویں سالگرہ پر یومِ جمہوریت نہ منائیں ("جنگ"، ۷ رفروری) چلیئے۔

ع یہاں تک تو پہنچے یہاں تک تو آئے۔

گویا اگر پی پی پی اپنا اندازِ فکر بدل دے یعنی تحریکِ استقلال یا کسی اور قسم کی پارٹی بن جائے تو اس کے وہ سارے بے حساب جرائم ختم اور تمام گناہ در گناہ معاف، جن کے خلاف سب سے زیادہ جناب اصغر خاں نے ہی جہاد کیا تھا۔ عوام کو سڑکوں پر لے آئے تھے۔ انتخابات کے نتائج تسلیم نہ کرنے کی پیشگوئی کی تھی اور طوعاً و کرہاً "مستقبل کے وزیر اعظم" بننے کی افواہوں پر چپ سادھ لی تھی۔ فرمایا تھا کہ انہوں نے سارے انتظامات کر رکھے ہیں۔ جناب بھٹو کو ملک سے بھاگنے نہیں دیں گے وغیرہ وغیرہ ("جنگ" والے جناب ابو سعید قریشی کی مرحوم ابراہیم جلیس کی بھونڈی نقالی والا نہیں) انداز فکر بدلنے کا مطلب ہے کہ پی پی پی وعدہ کرے کہ وہ انتخابات میں دھاندلی نہیں کرے گی۔ ملک نہیں توڑے گی۔ ہر سائز اور ہر فن کی بدعنوانی نہیں کرے گی۔ ملکی معیشت کو تباہ نہیں کرے گی۔ پھر وغیرہ وغیرہ (اور پھر "جنگ" والے .....) اور سب سے بڑی شرط یہ کہ جناب بھٹو کی ۵۰ ویں سالگرہ پر یومِ جمہوریت نہیں منائے گی (خدشہ ہے کہ ہر سال ۵۰ ویں ہی منائے گی)۔

جناب عبدالولی خاں نے ۵ فروری کو بار ایسوسی ایشن راولپنڈی میں وکلا کے سوالات کے جو جواب دیتے اس کے لیے کم از کم آدھ گھنٹہ صرف ہوا ہو گا ("جنگ"۔ ۷ رفروری بحوالہ اپ پ) جبکہ "جنگ" کا نمائندہ راولپنڈی اس ناشدنی کا ذمہ دار ہے کہ موصوف وہاں ڈیڑھ گھنٹہ رہے لیکن صرف دس منٹ تک خطاب کر سکے کیونکہ وکلا نے ہنگامہ کر دیا اور ان کی غداری کے نعرے لگائے ("جنگ" ۷ رفروری) اب بتایئے لے یارانِ طرحدار، کہ "جنگ" کا قاری کسے سچ مانے اور کسے جھوٹ! یہ افترا "مساوات" "معیار" "نصرت" یا "الفتح" ہی کرتا تو درگزر بھی کیا جاتا کہ انہیں اسلام، جمہوریت اور پاکستان کی سالمیت سے کوئی علاقہ نہیں ہے لیکن جو خبر بھی اس محب وطن اور دیندار میں چھپتی ہے۔ اس پر بی بی سی کے بلیٹن کی طرح ایمان نہ لانا کسی طور جائز نہیں ہے اور کچھ ہو نہ ہو، اب جناب ولی خاں کو بیان دینے کے لیے نیا موضوع مل گیا یعنی "جنگ" کی مذمت کیونکہ وہ سارے موضوع برت چکے ہیں۔

مثل مشہور ہے کہ کرے داڑھی والا پکڑا جائے مونچھوں والا۔ حالیہ مناظر پر اس مثل کی صداقت کی طرح، یہ بات کراچی کو ملنے والے پانی کے بارے میں بھی صادق آتی ہے کہ کے ڈی اے کے اپنے رکن اداروں کے ذمے ۲۱ کروڑ روپے ہیں لہٰذا بڑھتے ہوئے اخراجات پر قابو پانے کے لیے پانی کے نرخ میں اضافہ کر کے خسارہ عوام الناس سے پورا کیا جائے گا۔ ملایئے ہاتھ — اور خبردار اے باڑوں میں تقسیم منمناتے کان ہلاتے عوام — احتجاج نہ کرنا ورنہ......

صاحبو! ان دنوں ملک میں ایک مقابلہ زوروں پر ہے اور وہ ہے جوشِ خطابت کا۔ مقابلے میں شریک آتش نوا مقررین کپ جیتنے کی لگن میں یوں فراٹے بھرتے دوڑ رہے ہیں کہ نہ دائیں بائیں نظر نہ آگے پیچھے کا ہوش، فقط ایک جوش کہ کسی طور العام تک جیٹ کی طرح پہنچ جائیں اور چیمپین کا اعزاز حاصل کریں۔ خواہ ساتھ دوڑنے والوں کو لنگڑی ہی لگانی پڑے۔ ایسی ہی لنگڑی جناب مفتی محمود نے اپنے پنجابی شرکائے مقابلہ کو لگائی ہے کہ فرمایا، پنجاب نے جناب بھٹو کو منتخب کرنے کا جو جرم کیا تھا تو اب اپنے گناہوں کی تلافی کر دی ہے ("جنگ" ۸ رفروری) حضرات توجہ فرمایئے! دارالحکومت اسلام آباد جانے والی تیز گام اپنے آگے جانے والی ایکسپریس ٹرینوں کو پاس کرتی ہوئی وقتِ مقررہ سے ساڑھے تین گھنٹے پہلے پہنچنے والی ہے۔ مسافروں سے درخواست ہے کہ.....

فتویٰ یہ ہے کہ علماء چاہیں جو کریں اور کہیں لیکن [illegible] نہ کہیں۔ استغنا کے بغیر یہ مشورہ ایک عالم دین جناب مفتی محمود نے دوسرے عالم دین جناب نورانی میاں کو دیا ہے ("جنگ" ۸ رفروری) دراصل غلطی موخر الذکر عالمِ دین کی ہے کہ انہوں نے گذشتہ دنوں یو ڈی ایف والوں پر ہنی مون منانے کا الزام لگایا تھا۔ موصوف کو ماہِ عسل کہنا چاہیئے تھا کہ ہنی مون کا اسلامی تصور یہی ہے۔ دیکھتے صاحب! ناراضگی میں گالی کی یہ قسم نہیں چلے گی البتہ مخالف کے "نطفے" والی جیسی گالیوں کی اجازت ہے بشرطیکہ مخالف کا تعلق کسی خاص پارٹی سے ہو۔

جناب شاہ احمد نورانی نے الزام لگایا ہے کہ یو ڈی ایف کے رہنما اپنے کارکنوں کو غنڈہ گردی پر اکسا رہے ہیں۔ ("جنگ" ۸ رفروری) کیا غضب کرتے ہیں مولانا، فرشتوں اور مومنوں پر یہ بہتان جن میں تا اطلاع ثانی آپ بھی شامل ہیں! جن لوگوں نے مارچ سے جولائی تک کسی قسم کی غنڈہ گردی نہیں کی۔ وہ اب مارشل لاء کے دوران یہ مذموم حرکت کیسے کر سکتے ہیں کہ کوڑے بھی کھائیں اور سزائے قید بھی بھگتیں! پڑھنے والوں کی معلومات بڑھانے کے لیے عرض ہے کہ غنڈہ گردی کا الزام کردار کشی کی ذیل میں نہیں آتا۔ مزید برآں سارے غنڈے جیلوں میں بند ہیں یا کوڑے کھا چکے ہیں۔

کہتے ہیں کہ مردہ بولے تو کفن پھاڑ کر بولے اور دوسری بات یہ کہ قبرستانوں سے مردے اٹھ کھڑے ہو رہے ہیں۔ یہ انکشاف یوں ہوا کہ بقول جناب غفور احمد، جناب بھٹو نے پاکستان کو ایک قبرستان میں بدل دیا تھا۔ ("جنگ" ۸ رفروری) اور وہ قبرستان کیا ہوا جو اس ملک میں صالحین کی مساعی سے سوشلزم کا بننے والا تھا! ہر گاہ مطلع کیا جاتا ہے کہ قبرستان کو ہندی میں شمشان کا مترادف سمجھا جاتا ہے جو بھارت میں ہوتا ہے جہاں صالحین کی ایک برادری بھی آباد ہے۔

ولیکا وولن کے جنرل سیکرٹری نے "ماما کی عدالت" کی پیش کش مسترد کر دی

غلام حیدر

کون کس جیل میں، کتنی سزا کاٹ رہا ہے!

کراچی میں جو پاکستان کا سب سے بڑا صنعتی علاقہ ہے ہر صنعتی اور تجارتی ادارے میں چھانٹیاں، برطرفیاں، لے آف لاک آؤٹ عمل میں آرہا ہے اور جب بھی مزدور نمائندے اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کرنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں تو ان کو علی الاعلان دھمکیاں دی جاتی ہیں کہ ان کا حشر خراب کر دیا جائے گا۔ ملز مالکان یہ کہنے میں کوئی باک نہیں رکھتے کہ کراچی میں ملتان کا سانحہ دہرا دیا جائے گا۔ مزدوروں کی انجمن سازی اور اجتماعی سودے کاری پر عملی طور پر مکمل پابندیاں ہیں اور ٹریڈ یونین کی قانونی جدوجہد کرنے کی پاداش میں یونینوں کے رہنماؤں اور سرگرم کارکنوں کو سرمایہ داروں کے اشاروں پر یک طرفہ

اقبال نیازی

کارروائی کرتے ہوتے پابند سلاسل کیا جا رہا۔ کراچی میں گرفتار ہونے والے چند مزدور کارکنوں اور رہنماؤں کے معاملات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ولیکا وولن اینڈ آرٹ فیبرکس ورکرز یونین نے ۲ اکتوبر ۷۷ء کو مزدوروں کے مطالبات ملز مالکان کے سامنے پیش کئے۔ انتظامیہ نے اپنی روایتی ہٹ دھرمی اور مزدور دشمن کارروائیوں سے ان مطالبات کا جواب دیا اور یونین کے عہدیداروں اور سرگرم کارکنوں کو دھمکیاں دیں کہ ان کو قتل کے الزام میں اور مارشل لا کے تحت گرفتار کروا دیا جائے گا۔ یونین ملز کی انتظامیہ کی ان مزدور دشمن کارروائیوں سے متعلقہ حکام کو وقتاً فوقتاً مطلع کرتی رہی لیکن متعلقہ حکام کا رویہ یونین کی طرف سرد مہری کا رہا، مارشل لا حکام نے انتظامیہ کی جھوٹی اور بے بنیاد رپورٹوں پر یونین کے جنرل سکریٹری غلام حیدر کو جو متحدہ مزدور فیڈریشن کے نائب صدر بھی ہیں اور جو عرصے سے ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہیں اور جن کا کچھ دن پہلے پسلی کا آپریشن بھی ہوا تھا۔ ۱۲ دسمبر ۷۷ء کو بغیر کسی تحریری وجہ کے گرفتار کیا۔ مبینہ طور پر ان سے کہا گیا کہ وہ یونین سے استعفے دے دیں اور کراچی چھوڑ کر چلے جائیں، تو انہیں رہا کر دیا جائے گا۔ جب غلام حیدر نے اس بات کو مسترد کر دیا تو ۵ جنوری ۷۸ء کو انہیں ایک سال قید بامشقت کی سزا سنا دی گئی۔ واضح ہو کہ اس کیس میں پیش ہونے والے گواہان کی گواہی تک ریکارڈ پر نہیں لائی گئی۔ اور جب انہوں نے سزا کے اعلان کے بعد فیصلے کی نقل مانگی تو ان کو نقل نہیں دی گئی۔ مذکورہ کارروائی پر مطمئن نہ ہونے کی وجہ سے جیل میں ایک عدالت جس کو عرف عام میں "ماما کی عدالت" کہا جاتا ہے لگائی گئی۔

اس میں غلام حیدر کو بھی طلب کیا گیا اور دوبارہ کہا گیا کہ اگر وہ معافی مانگ لیں اور کراچی چھوڑ کر چلے جائیں تو ان کی سزا معاف کی جا سکتی ہے۔ لیکن غلام حیدر نے اپنے وقار کے منافی اس سمجھوتے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

۲۔ سرحد رولنگ ملز کے ایک مزدور محمد صفدر کو ملز میں ہنگامہ کرنے اور مزدوروں کو کام بند کرنے پر بھڑکانے کے الزام میں مارشل لا حکام نے ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی۔ مذکورہ ملز میں کام کرنے والے مزدوروں کو کسی قسم کی قانونی سہولتیں میسر نہیں ہیں۔ مزدوروں نے مارشل لا حکام کو اس بات سے مطلع کیا اور مزدور آپس میں صلاح و مشورہ کرنے لگے کہ ملک کے مروجہ قوانین کے تحت یونین قائم کی جائے۔ اس کی اطلاع ملز کی انتظامیہ کو ہو گئی۔ انتظامیہ کی ایما پر مجوزہ یونین کے جنرل سکریٹری کو گرفتار کرنے کے لئے پولیس نے اس کے ڈیرے پر چھاپہ مارا۔ وہ نہیں ملا تو محمد صفدر کو گرفتار کر کے اس کے خلاف مقدمہ قائم کیا گیا اور اس کو ایک سال قید سخت کی سزا سنا دی گئی

سانحۂ ملتان پر ہر باضمیر پاکستانی نے انتہائی شدید

محمد علی قادری

فرمان علی

ردعمل کا اظہار کیا۔ ملک بھر کے محنت کشوں نے ملتان
کے محنت کشوں کی جدوجہد سے ہم آہنگی کی غرض سے
فیصلہ کیا کہ ہفتہ احتجاج منایا جائے۔ ورکرز آرگنائزنگ
کمیٹی سندھ نے بھی پروگرام مرتب کیا اور پمفلٹ
جاری کیا۔ حکومت نے بجائے اس کے کہ وہ ملتان کے
قتل عام کے ذمہ داروں کو گرفتار کرکے ان پر مقدمہ
چلائے اس قتل عام کے خلاف احتجاج کرنے والوں کو
گرفتار کیا۔ چنانچہ محمد علی قادری سیکرٹری اطلاعات ورکرز
آرگنائزنگ کمیٹی سندھ، جمعہ خان جنرل سیکرٹری سونیر
ٹوبیکو کمپنی ایمپلائز یونین اور فرمان علی رکن این ایس ایف
اور رکن سونیر ٹوبیکو کمپنی ایمپلائز یونین کو گرفتار کرکے
ان پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا۔ فرمان علی کو ۱۰ جنوری
کو گرفتار کیا گیا۔ جمعہ خان کو جب وہ فرمان علی سے
ملنے کے لئے تھانے گئے تو ملز مالکان کی ایماء پر گرفتار
کیا گیا اور محمد علی قادری کو ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی کے
شیرشاہ میں واقع دفتر سے گرفتار کیا گیا۔ فرمان علی کو
ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی کے پمفلٹ کے علاوہ ایک اور
سائیکلو اسٹائل پمفلٹ کا الزام لگا کر ایک سال قید
سخت اور ۱۵ کوڑوں کی سزا سنائی گئی۔ بعد میں پندرہ
کوڑوں کی سزا ختم کردی اور فرمان علی اور محمد علی قادری
کو ایک ایک سال قید سخت کی سزا دی۔ جمعہ خان کے
کے خلاف گواہی نہیں مل سکی۔ لہٰذا جمعہ خان کو رہا کردیا
گیا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کو یہ بھی کہا گیا کہ اگر
اس نے اپنا رویہ صحیح نہیں کیا تو وہ بھی سزا کا مستحق ہوگا۔
ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی سندھ کے صدر عزیز الحسن
کو جو سانحۂ ملتان اور اس کے علاوہ محنت کشوں پر
روز بروز بڑھتے ہوئے ظلم و تشدد، چھانٹی، برطرفی،
لاک آؤٹ، لے آف اور دوسرے مزدور دشمن اقدامات
پر غور کرنے کے لئے لاہور میں ہونے والے محنت کشوں
کے اجتماع میں شرکت کے لئے اور ملتان کے محنت کشوں
کو سندھ کے محنت کشوں کی حمایت کا یقین دلانے کے
لئے گئے تھے واپسی پر مارشل لاء آرڈر کے تحت گرفتار
کرلیا گیا اور بغیر کوئی وجہ بتلائے اور بغیر کسی الزام کے
فی الحال تین ماہ کے لئے جیل بھیج دیا گیا ہے۔
لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کے صدر اقبال نیازی، داؤد
کاٹن ملز کے چاچا وزیر خان اور ریاض الحسن کو بھی اسی
مارشل لاء آرڈر کے تحت گرفتار کرلیا گیا ہے۔
شفیق ٹیکسٹائل ملز ایمپلائز یونین کے صدر

عزیز الحسن یحییٰ آمریت کے دور میں بھی پابند سلاسل کئے گئے تھے

امیر خان اور جنرل سیکرٹری نوشیر خان کو فوجی عدالت
نے ایک ایک سال قید سخت کی سزا دی ہے ان کا
جرم یہ ہے کہ دونوں مزدور رہنماؤں نے شفیق ٹیکسٹائل
ملز ایمپلائز یونین اور انتظامیہ کے درمیان کئے گئے
۵۵ دن کے بونس پر جس کو معاہدے کی رو سے مزدوروں
میں اکتوبر کے مہینے میں تقسیم کیا جانا تھا عمل درآمد کرانے
کے لئے ملز کی انتظامیہ کو یادداشت بھیجی۔ انتظامیہ
معاہدے سے منحرف ہوتے ہوئے مسلسل ہٹ دھرمی
اور ٹال مٹول کرتی رہی۔ یونین نے مارشل لاء حکام کو
مختلف ٹیلی گراموں اور متعدد خطوط کے ذریعے اس امر
سے مطلع کیا لیکن بجائے اس کے کہ انتظامیہ کو مجبور
کیا جاتا کہ وہ معاہدے پر عمل درآمد کرے مزدور رہنماؤں
امیر خان اور نوشیر خان کو گرفتار کرلیا گیا اور ان سے
کہا گیا کہ وہ معاہدے کے برعکس ۵۵ دن کے بونس کے
بجائے صرف ۱۰ دن کے خیراتی بونس کو قبول کرلیں بصورت
دیگر ان کو صوبہ بدر کردیا جائے گا۔ مزدور رہنماؤں نے
اس کے خلاف عرضداشت پیش کی لیکن اس پر کوئی توجہ
نہیں دی گئی بلکہ ۳ فروری کو ایک ایک سال قید سخت
کی سزا دے دی گئی۔ ساتھ ہی ان سے کہا گیا کہ اگر یہ
دونوں رہنما ملز سے استعفے دے کر حساب کتاب لے کر
کراچی سے چلے جائیں تو ان کی سزا معاف کی جاسکتی ہے
اس کے لئے انہیں ۲۴ گھنٹے کی اور پھر ۳۰ گھنٹے کی مہلت
دی گئی لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے سزا کو قبول کیا

بقیہ: غیبتوں کی ڈائری

چیئرمین بنانے پر سخت اختلافات ہیں۔
دوسرے دن بیگم نصرت بھٹو کی طلبی پر مولانا کوثر نیازی
لاہور گئے اور پی پی کے ذرائع کے مطابق انہوں نے
بیگم صاحبہ کو یقین دلایا کہ اس مسئلہ کو پارٹی کی مرکزی
مجلس عاملہ کے اجلاس میں طے کئے جانے تک پبلک پلیٹ
فارم پر بحث و مباحثہ کا دروازہ نہیں کھولیں گے۔ مگر ابھی
وعدے کی گونج ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ دوسرے ہی دن مولانا
ایک پریس کانفرنس کے ذریعہ اس بحث کو باہر لے آئے اور
محاذ آرائی شروع کردی۔ پی پی سے انتہائی قریبی اور با اعتماد
ذرائع کے مطابق پریس کانفرنس سے خطاب کرنے سے
ایک دن پہلے مولانا کی ایک اعلیٰ سرکاری شخصیت سے ملاقات
ہوئی۔ اس وقت پی پی کراچی کے وہ اہم عہدیدار بھی موجود
تھے، جنہوں نے کراچی میں کوارڈی نیٹر کے فرائض انجام دیئے تھے۔
مولانا کی پریس کانفرنس کے دوسرے دن پی پی کے
کچھ کارکن ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی میں جتوئی صاحب
سے ملنے گئے اور ان سے مولانا کی پریس کانفرنس کی تفصیلات
اور حقائق معلوم کئے تو انہوں نے کوئی واضح بات بتانے
کی بجائے ٹال مٹول سے کام لیا۔ ادھر پی پی کراچی کے عہدیدار
نے گھر والوں سے کہہ دیا کہ جو بھی ملنے آئے اس کو کوئی
بہانہ بنا کر ٹال دیا جائے۔ پیپلز پارٹی کے کارکن مولانا کی
پریس کانفرنس کو پارٹی کے خلاف کسی بڑی اندرونی سازش
کی ابتداء قرار دے رہے ہیں۔

محترمہ رقیہ سومرو سے نمائندہ خصوصی کی ملاقات

لاڑکانہ ضرورت سے زیادہ سنگینوں کا گڑھ بن گیا ہے

سیاسی قیدیوں کو اخلاقی مجرموں کے ساتھ رکھا جاتا ہے

سنٹرل جیل سکھر میں مقیدّ ایک خاتون سیاسی رہنما سے ملاقات کرنے ان کے چند رشتے دار آئے۔ ملاقات جیل سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں ہوئی۔ ملاقاتیوں میں اسیر خاتون کی چھوٹی بچی بھی شامل تھی۔ اسیر خاتون، ملاقاتیوں سے گفتگو کر رہی تھیں کہ

بچی اُن کی گود میں بیٹھ گئی۔ اور میز پر رکھے ہوئے شیر کے دو مجسّموں کو غور سے دیکھنے لگی۔ یکایک وہ بولی۔

"امّی امی! یہ کُتّے ہیں نا؟"

"نہیں بیٹی یہ شیر ہیں۔" ماں نے جواب دیا۔

"نہیں، نہیں، یہ کتّے ہیں کتّے۔" بچی شیر کو کتّا بنانے بنانے پر بضد تھی۔

مٹی کے شیروں کو کتّا کہنے والی بچی رقیہ سومرو ڈسٹرکٹ سیکرٹری خواتین پیپلز پارٹی لاڑکانہ کی بیٹی تھی۔ جو سکھر سنٹرل جیل میں مقیدّ تھیں۔ ان کو ۵ جنوری ۱۹۷۸ء کو "نعرے بازی" کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔

رقیہ سومرو، سابق ایم پی اے اور صوبائی وزیر علی احمد سومرو اور پیپلز پارٹی خواتین کراچی کی ممتاز رہنما نورجہاں سومرو کی بڑی بہن ہیں۔ انہیں ۸ ادن "شاہی مہمان" بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ضمانت پر رہائی ہوئی۔ بے نظیر بھٹو کے حالیہ دورۂ سندھ کے دوران رقیہ سومرو اُن کے ساتھ رہیں۔ اور اُن کے ساتھ ہی کراچی آئیں۔ رقیہ سومرو نے بے نظیر بھٹو کے دورۂ سندھ کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔ "اگرچہ دورے کے پروگرام کی پبلسٹی نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود ہر جگہ بے نظیر کا شاندار استقبال ہوا۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس اور ننگے پاؤں ہاری، کاشت کار، مزدور ہماری کار دیکھتے ہی اپنا کام کاج چھوڑ کر بھاگتے ہوئے آتے۔ محراب پور سے ایک میل دور پانچ سو خواتین نے استقبال کیا، حالانکہ انتظامیہ نے روکنے کی بہت کوشش کی تھی۔ ٹنڈو آدم میں تو لاٹھی چارج بھی کیا گیا۔ ضلع سانگھڑ اور سانگھڑ شہر جو پیر پگارا کا گڑھ سمجھا جاتا ہے۔ وہاں ہزاروں افراد نے بے نظیر کا استقبال کیا۔ یہ شاندار خیر مقدم اجتماعات اس امر کا ثبوت تھے کہ پیپلز پارٹی سندھ کی مقبول ترین جماعت ہے۔ "انتخابات کرالو، جیتیں گے" کے نعرے ہر جگہ سنائی دیتے۔"

رقیہ سومرو نے کہا: "سندھ کے پیر و جواں تو کیا بچوں کے دلوں پر بھی پیپلز پارٹی اور مسٹر بھٹو کی حکمرانی ہے۔ لاڑکانہ سے جب کوئی طیارہ گذرتا ہے تو میری ننھی سی بیٹی ہوائی جہاز کی آواز سنتے ہی کہنے لگتی ہے۔ "امّی، امی! قائد عوام آ رہے ہیں"۔ پھر نعرے لگاتی ہے۔ "جیئے بھٹو، جیئے بھٹو۔"

لاڑکانہ کی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "لاڑکانہ کے عوام کی زندگی اجیرن بنا دی گئی ہے۔ پولیس کی نفری میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ پولیس کے علاوہ دیگر "محافظوں" کی تعداد بھی خاصی ہے۔ پولیس کے ایک افسر نے خود مجھ سے کہا۔ "ہمارے نزدیک لاڑکانہ کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ ہم پورے پاکستان کو ایک طرف اور لاڑکانہ کو دوسری طرف سمجھتے ہیں۔ ہم لاڑکانہ سے پیپلز پارٹی کا نام و نشان مٹا دیں گے" وہ پیپلز پارٹی کا نام و نشان تو نہیں مٹا سکے۔ البتہ لوگوں کو تنگ کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کر رہے ہیں۔ ایک ایک بچے سے پوچھ گچھ کی جاتی ہے۔ کسی اور علاقے سے کسی کا مہمان آتا ہے۔ تو نہ صرف مہمان سے پوچھ گچھ کی جاتی ہے بلکہ

میزبان اور محلے والوں سے بھی انکوائری کی جاتی ہے۔ کہ مہمان کیوں آیا ہے۔ اسے لاڑکانہ میں کیا کام ہے؟ کب واپس جائے گا؟ میری چھوٹی بہن دسمبر ۱۹۷۷ء میں لاڑکانہ آئیں۔ میرے مکان سے چند گز کے فاصلے پر ہی انہیں روک لیا گیا۔ سوٹ کیس اور بیگ کھول کر ایک ایک کپڑے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ مٹھائی کے ڈبے کو کھول کر دیکھا۔ حد یہ ہے کہ بچے کے دودھ کے ڈبے کو بھی کھول کر جانچ پڑتال کی گئی۔ میں نے احتجاج کیا۔ تو پولیس کے افسر نے کہا "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کی بہن جلوس نکالنے کے لئے یہاں آئی ہیں۔" میں نے کہا کیا کراچی میں نور جہاں جلوس نہیں نکال سکتی تھی۔ جو یہاں آئی ہے۔ کچھ تو عقل سے کام لو۔ یہ ہماری مہمان ہے۔ لیکن اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ہر شے کی تلاشی لینے کے بعد نور جہاں کو ہمارے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی"

رقیہ سومرو نے بتایا کہ "میگل رتو کی کل آبادی پانچ سو سے بھی کم ہوگی۔ لیکن وہاں پر جو پولیس متعین کی گئی ہے اُس کی تعداد ۵ سو سے زیادہ ہے۔ وہاں عوام پر بہت ظلم کیا گیا ہے۔ جب بیگم صاحبہ (بیگم نصرت بھٹو) وہاں گئیں۔ تو ایک عمر رسیدہ آدمی نے بتایا کہ وہ قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا کہ یکایک پولیس نے اُسے لاٹھیاں مارنی شروع کر دیں۔ اُس شخص نے اپنی قمیض اٹھا کر لاٹھیوں

غزالہ سومرو

کے نشانات دکھائے۔ لاڑکانہ کے علاوہ پورے سندھ میں وسیع پیمانے پر گرفتاریاں ہوتی ہیں۔ حالیہ دورہ کے دوران ہر جگہ بے نظیر بھٹو کو بتایا گیا کہ ابھی تک بھاری تعداد میں پیپلز پارٹی کے کارکن جیلوں میں بند ہیں۔"

اپنی گرفتاری اور جیل کے روز و شب کا ذکر کرتے

ہوئے انہوں نے کہا "پیپلز پارٹی نے ۵ جنوری کو "یوم جمہوریت" منانے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کے تحت لاڑکانہ خواتین پیپلز پارٹی نے قائم شاہ بخاری میں قرآن خوانی کا پروگرام بنایا۔ تقریباً چھ سو خواتین نے قرآن خوانی میں شرکت کی خواتین پُرامن تھیں۔ وہ تلاوت قرآن کر رہی تھیں۔ اخبار نویس بھی موجود تھے، ایک فوٹو گرافر نے اجتماع کی تصویر اتاری۔ تو پولیس نے اس کا کیمرہ چھین لیا۔ اُسے زدوکوب کیا اور حراست میں لے کر ٹرک میں بٹھا دیا۔ اس پر احتجاج کیا تو پولیس نے خواتین پر لاٹھی چارج شروع کر دیا۔ خواتین کو دھکے دیئے۔ بعض عورتیں نالی میں گر پڑیں میں بھی گر پڑی۔ پھر گرفتاریاں شروع کر دی گئیں۔ دو، دو تین تین پولیس والے ایک عورت کو پکڑتے۔ گھسیٹتے ہوئے ٹرک تک لے جاتے اور پھر جس طرح بوریوں کو اٹھا کر ٹرک میں ڈالا جاتا ہے۔ اسی طرح عورت کو ٹرک میں پھینک دیتے۔ پولیس نے بعض ایسی عورتوں کو بھی گرفتار کر لیا جن کا پیپلز پارٹی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور نہ ہی انہوں نے قرآن خوانی میں شرکت کی۔ ایک ایسی عورت کو اُس کے آٹھ ماہ کے بچے سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ ایک گرفتار شدہ عورت کی گود میں ایک ماہ کی بچی تھی۔ بیگم رزاق سومرو کے ساتھ اُن کی چار لڑکیاں اور میرے ساتھ میری دو لڑکیاں اور ایک بھتیجی غزالہ سومرو تھیں۔ گرفتاری کے بعد میں نے ایس ایچ او سے کہا کہ تم نے ہمیں جلوس نکالنے کے لئے منع کیا تھا۔ اب خود ہی جلوس کا انتظام کر دیا ہے۔ ہم نے ٹرک پر کھڑے ہو کر "جیئے بھٹو" کے نعرے لگائے۔ ہمیں تعلقہ لاڑکانہ کے تھانے میں لایا گیا۔ جناب رزاق سومرو کی کوششوں کی وجہ سے پولیس ہم پانچ خواتین (بیگم رزاق سومرو، مائی شمل، سبحان خاتون

غزالہ سومرو جو کراچی کالج برائے خواتین کی طالبہ ہے اور اپنی پھوپھی سے ملنے لاڑکانہ گئی تھی اور رقیہ سومرو) کے علاوہ باقی عورتوں کو رہا کر دیا۔ تین دن تک ہمیں حوالات میں رکھا گیا۔ اور تین دن کے بعد سردی کے عالم میں کھلے ٹرک میں ہمیں سنٹرل جیل سکھر لے جایا گیا۔ ابتدائی دو دن ہمیں پولیٹیکل وارڈ میں رکھا گیا۔ جہاں بیگم نامہ بھی مقید تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ گرفتاری کے وقت پولیس نے اُن سے ناروا سلوک کیا بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا وغیرہ' دو دن کے بعد ہمیں جنرل وارڈ (جہاں اخلاقی مجرم رکھے جاتے ہیں) میں منتقل کر دیا گیا۔ ہمارے سیل کے سامنے ایک وارڈ تھا جس میں ۹ پاگل عورتیں تھیں۔ ایک اور وارڈ میں ڈیڑھ سو بنگالی عورتیں جن میں ۹۶ بچے بھی تھے مقید تھیں۔ وہ عرصہ دراز سے بند ہیں۔ نہ مقدمہ چلتا ہے۔ اور نہ رہا کیا جاتا ہے۔ ناکردہ گناہوں کی سزا دی جا رہی ہے جیل میں ہمیں مختلف تجربات ہوئے۔ پہلے دن صبح کے وقت ایک کالے رنگ کا پُرانا کنستر ہمارے سامنے لایا گیا۔ اُس سے بھاپ نکل رہی تھی۔ ہم سمجھے کہ منہ ہاتھ دھونے کے لئے گرم پانی لایا گیا ہے۔ لیکن پتہ چلا کہ اُس میں چائے ہے جو نہ شکل اور نہ ہی ذائقہ کے اعتبار سے چائے معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے ساتھ کالی روٹیاں تھیں۔ ایام اسیری میں ہمیں کالی روٹیاں، دال نما پانی کھانے کو دیا گیا۔ چودہ دن کے بعد پھر کھلے ٹرک میں ہمیں لادا گیا۔ وہ ہمیں لاڑکانہ لائے اور تین دن تک ہمیں ایک مکان (جسے وہ انجینئر کا بنگلہ کہتے تھے) کے کمرے میں رکھا گیا جس میں چمگادڑ، مکڑی کے جالے اور بے تحاشہ مٹی تھی۔ ہم نے ایس ڈی ایم، ڈی ایس پی اور ایس ایچ او سے کمرے کی صفائی کرانے کے

لئے کہا۔ جواب ملا کہ "صبح صفائی کرا دیں گے" لیکن دوسرے دن بھی صفائی نہیں کرائی گئی۔ ہم نے نہانے کے لئے پانی مانگا جو نہیں دیا گیا۔ الغرض تین دن کے بعد ہمیں ضمانت پر رہا کیا گیا۔ اس اسیری کی وجہ سے غزالہ کا ایک تعلیمی سال ضائع ہو گیا۔ کیونکہ جب کالج میں داخلے ہو رہے تھے۔ وہ جیل میں تھی"۔

رقیہ سومرو نے کہا "قید و بند سے ہمارے کارکن نہیں گھبراتے، وہ پُرعزم ہیں۔ عوام پیپلز پارٹی کے ساتھ ہیں اور جب کبھی بھی انتخابات ہوتے پیپلز پارٹی ہی کامیاب ہو گی۔

●●

منڈی بہاء الدین * میاں محمد شریف ڈار

تعزیرات کی بجائے عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان دیجئے، وزیر علی

آج کل ضلع گجرات محدود سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا ہے اور تقریباً ہر سیاسی جماعت کے لیڈر اپنے اپنے کارکنوں سے رابطہ مضبوط کرنے اور تنظیم کو موثر بنانے میں مصروف ہیں گزشتہ دنوں تحریک استقلال پاکستان کے مرکزی سینیئر نائب صدر ملک وزیر علی نے چیلیانوالہ منڈی بہاؤالدین اور ملک وال کا دورہ کیا۔ جہاں انہوں نے پارٹی کارکنوں سے خطاب بھی کیا۔ منڈی بہاؤالدین میں انہوں نے تحریک کی مقامی شاخ کے صدر چوہدری عبدالشکور کی رہائش گاہ پر قیام کیا۔ شام ساڑھے پانچ بجے ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا گیا۔ جس میں تحریک کے کارکنوں اور عام شہریوں نے شرکت کی۔ تحریک استقلال پنجاب کے سیکریٹری جنرل مسٹر ممتاز احمد تارڑ ایڈووکیٹ بھی اس موقع پر موجود تھے۔ ملک وزیر علی نے استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت اسلامی تعزیرات کے نفاذ اور نماز پڑھانے کے لئے خصوصی احکامات جاری کئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ تعزیرات اور احکامات نافذ کرنے سے کبھی بھی اسلامی معاشرہ قائم نہیں ہوا بلکہ اخلاق۔ قول اور عمل سے ایک اچھے معاشرے کو تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سب مسلمان ہیں ہم اپنے سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ اگر اچھے اعمال کریں گے تو اس کا اللہ تعالےٰ اجر دے گا۔ اگر بُرے کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا دے گا۔ انہوں نے حکومت پر زور دیا کہ وہ تعزیرات کی بجائے عوام کو روٹی کپڑا مکان علاج تعلیم اور روزگار اور دوسری زندگی کی سہولیات مہیا کرنے کے لئے اقدامات کرے تاکہ عوام بھوک، ننگ۔ جہالت و دیگر سماجی برائیوں سے نجات حاصل کر کے اسلامی معاشرے کی طرف قدم بڑھائیں انہوں نے کہا کہ اس وقت ایسے مشیر جمع ہو گئے ہیں جو کہ جاگیرداروں، سرمایہ داروں کے خاص لوگ ہیں اور وہ نظام الٰہی نافذ کرنے کی آڑ میں جاگیرداروں سرمایہ داروں، اسمگلروں اور عوام دشمن عناصر کا تحفظ کر رہے ہیں۔ ان کے اسلام کے نام پر قول و فعل میں تضاد کو عوام جان چکے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ یہ ساری زمین اللہ کی ہے لیکن یہاں اجارہ داریاں کیوں قائم کی گئی ہیں۔ اس زمین پر سب کا حق ہے اور جو اس پر زیادہ محنت کرتا ہے، اس کا زیادہ حق بنتا ہے جو کم محنت کرتا ہے اس کا کم حق اور جو کچھ نہیں کرتا اس کو اس پر اجارہ داری قائم کرنے اور کسی کی محنت کا پھل کھانے کا کوئی حق نہیں ہے انہوں نے کہا کہ اسلام کو جاگیرداروں سرمایہ داروں نے مُلّا ازم کے ذریعے اپنے گھر کی لونڈی تصور کر لیا ہے اور جب چاہا جیسے چاہا استعمال کر لیا انہوں نے کہا بعض علماؑ نے اسلام کے بنیادی منشور کو عوام تک پہنچایا لیکن اکثریت نے اسے توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش اور اسلام کی اصل روح کو عوام تک نہیں پہنچنے دیا۔

تحریک استقلال طلباء پنجاب کے سابق صدر مسٹر اقبال جاڑہ ایڈووکیٹ نے بھی ایک استقبالیہ ملک وزیر علی کے اعزاز میں دینا تھا کہ مقامی تحریک استقلال کے سیکرٹری جنرل سید محمد نقیر شاہ نے اس موقع پر دعویٰ کیا کہ مسٹر اقبال جاڑہ تحریک استقلال کے رکن تک نہیں ہیں چنانچہ ملک وزیر علی نے اس دعوت استقبالیہ میں شرکت نہیں کی جب کہ مسٹر اقبال جاڑہ نے ایک ملاقات میں دعویٰ کیا ہے کہ وہ بدستور تحریک کے رکن ہیں۔

نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی پنجاب کے صدر مسٹر راؤ مہروز اختر ایڈووکیٹ نے گزشتہ دنوں گجرات کا دورہ کیا۔ یاد رہے کہ ان کی آمد سے قبل این ڈی پی ضلع گجرات کے کنوینر سید باقر رضوی نے راؤ مہروز اختر کے غیر جمہوری رویّہ کے خلاف بطور احتجاج پارٹی کی کنوینرشپ سے استعفیٰ دے دیا تھا اور اپنی دس رکنی ورکنگ کمیٹی کو بھی توڑ دیا۔ سید باقر رضوی این ڈی پی پنجاب ورکنگ کمیٹی کے بدستور ممبر ہیں۔ پنجاب این ڈی پی کے صدر راؤ مہروز اختر نے گجرات پہنچتے ہی سیّد باقر رضوی کی جگہ کالعدم نیپ کے سابق کنوینر کو این ڈی پی گجرات کا کنوینر مقرر کیا۔ ازاں بعد پارٹی کے چند کارکنوں کا ایک اجلاس ہوا جس کی صدارت مرزا محمد اصغر نے کی۔ اجلاس سے راؤ مہروز اختر۔ ملک عبدالعزیز ایڈووکیٹ، خان امان اللہ خان اور حاجی عبدالحیّ نے بھی خطاب کیا۔

این ڈی پی پنجاب کے صدر راؤ مہروز اختر نے پارٹی کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مارشل لاء نے بھٹو کے دور کو ختم کیا اس لئے این ڈی پی مارشل لاء کا خیر مقدم کرتی ہے ورنہ کوئی بھی سیاسی پارٹی مارشل لاء کا خیر مقدم نہیں کرتی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ نوکر شاہی میں بھٹو کے حامی افسروں کو نکال دیا جائے جو مارشل لاء کی بدنامی کا باعث بن رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم پر بھٹو کے دور میں جتنے ظلم کئے گئے ہیں قیام پاکستان کے بعد کسی بھی سیاسی پارٹی پر اتنے ظلم نہیں کئے گئے انہوں نے کہا کہ گندی سیاست کو ختم کرنے کے لئے احتساب ضروری تھا اور اس کے اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔ انہوں نے مارشل لاء حکام سے مطالبہ کیا کہ بھٹو دور کے جھوٹے فوجداری مقدمات ختم کئے جائیں۔

مسلم لیگ گجرات شہر کے نائب صدر چوہدری امتیاز رسول آف ہریاوالا نے مسلم لیگ کے عہدے اور بنیادی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ انہوں نے ایک بیان میں کہا ہے کہ مسلم لیگ وطن دشمن قیادت کو پنجاب میں روشناس کرانے کی کوشش کر رہی ہے اور ولی خان کی حمایت اس کی دلیل ہے لہٰذا وہ ایسی جماعت میں رہنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ خیال ہے کہ وہ حنیف رامے کی نئی پارٹی میں شمولیت اختیار کر لیں گے۔

"ڈھل" کا

نشان اور سامراج کی خدمت

بے نظیر بھٹو۔ محمد نواز خلجی کے ہمراہ

سکرنڈ کے قریب ایک اجتماع سے بے نظیر، جتوئی اور مخدوم خلیق خطاب کر رہے ہیں

۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو ہونے والے انتخابات کے ملتوی ہونے کے بعد سے ضلع نوابشاہ کی سیاسی فضا پر جمود طاری تھا۔ تحریک استقلال کے رہنما جناب اصغر خان صاحب اور قومی اتحاد کے پروفیسر غفور احمد، سردار شیر باز مزاری اور بیگم نسیم ولی خان وغیرہ کے دورے اور ان دوروں کو کامیاب بنانے کے لیے سیاسی اور غیر سیاسی حلقوں کی سر توڑ کوششیں بھی اس جمود کو توڑنے میں ناکام رہی تھیں۔ ایسے میں خبر آئی کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے مقید چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی ذہین بیٹی مِس بے نظیر بھٹو نواب شاہ کے دورے پر پہنچ رہی ہیں۔ ضلع کی عام سیاسی صورتِ حال اور قومی اتحاد کے دعوؤں کے پیشِ نظر ضلع کے پی پی پی کے رہنما پریشان اور مایوس نظر آ رہے تھے۔ اور وہ بے لفظوں میں اس اندیشے کا اظہار کر رہے تھے کہ شاید بے بی (بے نظیر بھٹو) کا یہ دورہ کامیاب نہ ہو۔

۱۰ فروری کی شام کو پروگرام کے مطابق مِس بے نظیر بھٹو سانگھڑ کا دورہ مکمل کر کے ضلع نواب شاہ کی حدود میں داخل ہوئیں۔ پیپلز پارٹی کے ضلعی صدر عبدالفتیح میمن نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ گچانی کے مقام پر ان کا استقبال کیا۔ کوئی گرم جوشی نہ تھی۔ کل پانچ چھ کاریں تھیں۔ پی پی پی کے مقامی رہنما بجھے بجھے نظر آ رہے تھے۔ یہاں سے بے نظیر بھٹو سید جعفر شاہ گوٹھ پہنچیں۔ جہاں ان کے ٹھہرنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ پی پی پی کے قریبی حلقوں کے مطابق یہاں بے بی کے ساتھ آنے والی پی پی پی کی ایک خاتون رہنما مقامی عہدیداروں اور سابق ممبرانِ قومی و صوبائی اسمبلی پر خوب خوب برسیں۔ انہوں نے سوال کیا کہ وہ حضرات جو بڑے لیڈروں کی خوشامد کے لیے لاکھوں روپے دعوتوں پر خرچ کرتے ہیں ان غریب اور مخلص کارکنوں کے لیے کیا کر رہے ہیں جو پارٹی کے لیے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔ کوڑے کھا رہے ہیں کیا کسی نے ان کے بال بچوں کی خبر گیری کی ہے موقع پر موجود مقامی رہنما لاجواب ہو کر بغلیں جھانکنے لگے۔

ایک نوجوان سابق ایم پی اے نے جو تھوڑی دیر پہلے بے بی کو چائے پر مدعو کر رہے تھے کہ بھٹو خاندان سے اپنی قربت ظاہر کر کے مستقبل میں فائدہ اٹھائیں اپنے ایک ساتھی سے سرگوشی میں کہتے پائے گئے کہ یہاں سے کھسک لو۔ ان لوگوں نے ہمیں بھیجا نہیں ہے قاضی محمد بخش دھامرا کمرے سے مسکراتے ہوئے باہر آئے ہیں اور "الفتح" کے نمائندے کو بتلاتے ہیں کہ پی پی پی صوبہ سندھ کے نائب صدر مخدوم خلیق الزمان نے انہیں

بے نظیر کی پریس کانفرنس کے موقع پر پریس کلب کے باہر لوگوں کا ہجوم

بے نظیر بھٹو ڈسٹرکٹ بار نواب شاہ میں وکلا سے خطاب کر رہی ہیں

بوریا بستر سمیٹنے والے وڈیروں نے اپنے بستر کھول دیے

ہدایت کی ہے کہ جیل میں بند کارکنوں اور ان کے خاندانوں کی خبر گیری کے لیے آگے بڑھو۔ قاضی صاحب نے آگے بڑھنے کی نیت کر ڈالی تھی۔

۱۸ فروری کا سورج طلوع ہوا تو نواب شاہ شہر کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ ہر طرف سر ہی سر نظر آ رہے تھے دیہاتوں سے شہر کی طرف آنے والے راستوں پر لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا جو میلوں کا سفر کر کے آ رہے تھے۔ طلباء بسوں پر شہر میں گشت کر رہے تھے اور نعرے لگا رہے تھے "بھٹو کی تصویر۔ بے نظیر"۔ مقامی پ پ پ کے رہنما پھولے نہیں سماتے عوام کی لگن اور جوش و خروش کو وہ اپنی سرخروئی کا سامان سمجھ رہے تھے۔ عید کا سا یہ سماں پیپلز پارٹی کے چیئرمین کی بیٹی کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے تھا جو وارد سیاست ہے لیکن جس نے بڑے بڑے خاندانی سیاستدانوں کے برج الٹ دیے ہیں۔

پروگرام کے مطابق مس بے نظیر بھٹو پیپلز پارٹی صوبہ سندھ کے صدر جناب مصطفےٰ جتوئی، نائب صدر مخدوم خلیق الزمان اور سابق صوبائی وزیر عبداللہ شاہ صاحب کے ہمراہ پریس کلب پہنچیں۔ صحافیوں کے سوالوں کے جواب دقیق انگریزی میں بڑی روانی کے ساتھ دیتی ہیں۔ ایک اخبار نمائندے معترض ہوتے ہیں کہ آپ اردو میں بولیں وہ انگریزی نہیں جانتے مس بے نظیر مسکرا کر کہتی ہیں کہ وہ اپنا مافی الضمیر انگریزی میں بہتر طور پر بیان کر سکتی ہیں۔ وہ صحافی کو مشورہ دیتی ہیں کہ آپ جتوئی صاحب سے مدد لیں (جس اخبار کے یہ نمائندے تھے اس اخبار میں دوسرے دن اس تقریب کی کوئی خبر شائع نہیں ہوئی) پریس کلب کے باہر عوام کا ایک ہجوم جمع تھا جو بھٹو کے حق میں نعرے لگا رہا تھا۔

مس بے نظیر پریس کلب سے ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کی طرف روانہ ہوئیں۔ بار روم میں وکلاء کی تعداد بہت کم تھی، کیونکہ صبح ہی سے عوام کی ایک بڑی تعداد وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ وکلاء بے بسی سے دور کھڑے "بے بی" کی باتیں سنتے ہیں وہ کہتی ہیں کہ پاکستان میں بھٹو اور ہندوستان میں اندرا گاندھی کی اقتدار سے محرومی امریکی سازش کا نتیجہ ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ قومی اتحاد اور جنتا پارٹی میں صرف نام کا فرق ہے دونوں کا انتخابی نشان "ہل" اور مقصد ایک ہے یعنی سامراج کی خدمت۔

نواب شاہ شہر کے بعد وہ ضلع کے اندرونی علاقوں کے دورے پر روانہ ہوئیں۔ جتوئی صاحب خود کار چلا رہے تھے۔ سکرنڈ، مورو، قاضی احمد سے ہوتے ہوئے لوگوں سے خطاب کرتے اور ان کی باتیں سنتے ہوئے نیو جتوئی پہنچیں ہر جگہ پرجوش استقبال ہوا۔ اس ضلع کے دورے میں لاکھوں افراد نے استقبال میں حصہ لیا۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔

نیو جتوئی میں حکام کی طرف سے ٹیلیفون پر ہدایت ملتی ہے کہ دورہ ختم کیا جائے۔ بے نظیر تحریری حکم طلب کرتی ہیں اس دوران مورو شہر سے نوابشاہ ضلع پ پ پ کے صدر عبدالفتح میمن کو مارشل لاء ریگولیشن ۱۲ کے تحت گرفتار کر لیا جاتا ہے۔

بے نظیر بھٹو نوشیرو فیروز، بھاڈ شاہ، دربیلو، کنڈیارو بالائی میں کارکنوں اور خواتین کے اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے شام ۷ بجے محراب پور پہنچتی ہیں۔ جہاں چھتوں پر چڑھی ہوئی خواتین پھول نچھاور کرتی ہیں بے نظیر اور ان کے ساتھی محراب پور میں علی سردی شاہ کی درگاہ پر چادر چڑھانے اور دعا مانگنے کے بعد روانہ ہوتے ہیں۔ اور ضلع نواب شاہ کی آخری حد کوٹری کبیر پہنچتے ہیں۔ یہاں سے ضلع خیرپور شروع ہوتا ہے آگے راستے پر پولیس کا قبضہ ہے پولیس کا ایک اعلیٰ افسر محکمہ داخلہ کا حکم بے نظیر بھٹو کو دیتا ہے جس میں اس دورے سے مارشل لاء ضابطوں کی خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں۔ اس لیے انہیں ایک ماہ کے لیے اپنی سرگرمیوں کی کراچی ڈویژن تک محدود کیا جاتا ہے بے نظیر اس حکم اور اربابِ الوقت قانون کے احترام میں دورہ ملتوی کر کے نیو جتوئی کے لیے واپس ہو جاتی ہیں۔

اس دورے سے دو باتیں سامنے آئیں ایک یہ کہ دیہی علاقوں میں پ پ پ کے اثر و رسوخ کا ثبوت فراہم ہوا دوسری یہ کہ جو وڈیرے پیپلز پارٹی چھوڑنے کے لیے بوریا بستر سمیٹ چکے تھے عوامی حمایت کے اس مظاہرے کے بعد انہوں نے اپنا بستر کھول دیا ہے۔

بقیہ: اندرونِ سندھ

باوجود اسٹیج کے فن کو پروان چڑھانے کی مساعی کرتے رہتے ہیں۔ شائقین اسٹیج کی جانب سے آئے دن حیدرآباد میں مختلف النوع ڈرامے اسٹیج کیے جاتے رہے ہیں۔ لیکن شہر میں اسٹیج آڈیٹوریم اور سہولیات کا فقدان فنِ اسٹیج کی ترقی میں مزاحم رہا ہے۔ اسٹیج کے فروغ کے خواہشمندوں میں سندھی آرٹسٹ فورم بھی نمایاں ہے۔ گزشتہ ہفتے فورم کی جانب سے ایک مزاحیہ ڈرامہ "عام اطلاع" ریڈ کراس ہاؤس میں اسٹیج کیا گیا۔ ڈپٹی کمشنر عزیز اشرفی مہمان خصوصی تھے۔ فورم کے صدر اسرار شام نے مہمان خصوصی کا خیر مقدم کرتے ہوئے آڈیٹوریم اور اسٹیج راہ میں حائل دشواریوں کی نشاندہی کی۔ اب دیکھیں ڈپٹی کمشنر صاحب کب اور کیسے وعدہ ایفا کر کے اسٹیج کی عملی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

شہنشاہِ جیل کا رحم و کرم اور اپنوں کی فراموشی

جیل ڈاکٹر کی سفارش بھی کام نہیں آئی

جئے بھٹو کا "بندوارڈ تشگاف" نعرہ

عبدالرزاق سومرو کی جیل یاترا

عجیب صورتحال تھی۔ میں قائدِ عوام کا استقبال کرنے کے لیے بے چین تھا اور پولیس مجھے گرفتار کرنے کی ٹوہ میں۔ رات بھر استقبال کا پروگرام بناتا رہا اور رات بھر پولیس میری گرفتاری کے منصوبے گھڑتی رہی۔ آخر ش پولیس جیت گئی۔ صبح ۷ بجے بقول ایس ایچ او حکام بالا کے زبانی حکم پر مجھے گرفتار کر لیا گیا۔

۵ جولائی کی گرفتاری کے بعد رہا ہو کر جناب بھٹو لاڑکانہ سے کراچی آ رہے تھے۔ ہمارا پروگرام یہ تھا کہ قائدِ عوام کو پیپلز پارٹی کے عقیدت مندوں کے ساتھ ہونے والے مظالم کی روئیداد سنائیں، انہیں بتائیں کہ کس طرح کسانوں اور ہاریوں کو جبری طور پر بیدخل کیا جا رہا ہے، کس طرح مظلوموں کے مکانوں اور دوکانوں پر ناجائز قبضے کیے جا رہے ہیں۔ لیکن دل کی تمنا دل ہی میں رہی۔ لیکن پُرجوش عوام جو قائدِ عوام کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے پولیس کی لاٹھیوں اور فوج کی بندوقوں کے مقابل کھڑے تھے۔ ان کی تمنا پوری ہوئی۔ انہوں نے باوجود پولیس کے لاٹھی چارج کے ٹنڈو آدم پر ٹرین کو روک لیا اسٹیشن کا کشادہ سینہ عوام کے جم غفیر کو اپنے اندر سما لینے میں ناکام ہو گیا اور لوگ اسٹیشن کے باہر سڑکوں پر ہی جئے بھٹو کے نعرے لگا کر اپنے ارمان نکال رہے تھے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر رہے تھے۔

صبح چھ بجے مجھے حیدرآباد کے آہنی دروازے کے اندر لے جا کر حکام جیل کے حوالے کر دیا گیا۔ اور جیل حکام نے ضابطہ کی کارروائیوں کے بعد مجھے دو پھٹے پرانے چھلنی نما کمبل دے کر "کالا چکر" کے بند وارڈ میں دھکیل دیا گیا۔ وہاں پہلے سے موجود پیپلز پارٹی کے اسیروں اور میرے شناساؤں نے مجھے دیکھ کر جئے بھٹو کا "بندوارڈ تشگاف" نعرہ لگایا۔ حیدرآباد جیل میں صرف ضلع سانگھڑ ہی کے تقریباً ایک صد افراد بند تھے۔ غلام رسول مجاہد نائب صدر پی پی پی ضلع سانگھڑ، وزیر علی، نظیر علی، اسحاق علی شاہ جیسے سرگرم کارکن بھی اس بھیڑ میں موجود تھے۔ جگہ کی تنگی کے باعث مجھے، غلام رسول، وزیر علی، نظیر علی اور ایک اور نظر بند کو ایک کوٹھڑی میں منتقل کر دیا گیا۔ چھوٹی سی کوٹھڑی۔ گرمی شدید اور ہمارے خود کے پیشاب، پاخانہ کا تعفن ہماری برداشت سے باہر تھا۔ لیکن کس سے شکایت کریں؟ ہماری کون سنے گا؟ یہ سوال اہم تھا ___ دن گزرتے گئے اور اسیروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ حیدرآباد، بدین، ٹھٹھ، دادو وغیرہ کے اسیر خاصی تعداد میں یہاں جمع ہو گئے۔

ہم مصائب زدہ اسیروں کے عزیزوں اور دوستوں کو ہفتے میں ایک بار چند لمحوں کے لیے ملاقات کا وقت دیا جاتا۔ ایک چھوٹے سے ہال میں ایک طرف سلاخوں کے پیچھے قیدی ہوتے تھے اور سلاخوں سے تین فٹ کے فاصلے پر ہمارے دوست اور عزیز۔ ہال میں ایک ساتھ کبھی کئی افراد گفتگو کرتے اور یہ ملاقات، ملاقات نہیں بلکہ مچھلی بازار کا بیوپار ہو جاتی تھی۔ کون کیا کہہ رہا ہے۔ کس سے کہہ رہا ہے۔ پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ طرفہ تماشہ یہ کہ ہال میں موجود جیل انتظامیہ کے افراد اپنے ڈنڈوں سے ٹن کے ٹیل کو پیٹ پیٹ کر آسمان سر پر اٹھاتے ہوئے بار بار وارننگ دیتے تھے کہ "جلدی کرو وقت ختم ہو گیا ہے"۔

ہم ناکردہ گناہ اسیروں کو کھانا سی کلاس کے قیدیوں ہی کا دیا جاتا تھا۔ اخبارات و رسائل جیل حکام کے موڈ کے مطابق کبھی مل جاتے تھے اور کبھی نہیں۔ ہفتے میں ایک بار ہم "وحشیوں" کو انسان بنانے کے لیے حجام صاحب آتے تھے۔ اور وہ اس استرے سے چہرے کی صفائی کی ناکام کوشش کرتے تھے جس استرے سے عموماً بھینسوں کے بال صاف کیے جاتے ہیں۔ بیمار اسیروں کے ہر مرض کا علاج اے پی سی کی گولیوں سے کیا جاتا تھا۔ ہر اتوار کو عزت مآب جناب شہنشاہِ جیل سپرنٹنڈنٹ صاحب کا دورہ یعنی راؤنڈ ہوتا۔ اور یہ دورے والا دن قیدیوں کے لیے عذاب الٰہی کا دن ہوتا۔ سارے اسیر حسب حکم اپنا سارا سامان بعد بستر وغیرہ بیرک یا کوٹھڑی کے باہر نکال کر رکھنے پر مجبور ہوتے اور قطار در قطار باادب کھڑے ہو جاتے۔ عرض پیش کرنے کا طریقہ جن افراد کو معلوم نہیں ہوتا وہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کے سامنے ہی اپنی سزا کو پہنچتے۔ شہنشاہ جیل کا حکم اول و آخر تصور کیا جاتا ہے اور کہتے ہیں بعض آن باز قیدی حاکم جیل سے ٹکرا کر موت کی آغوش میں پناہ گزیں ہوتے۔ علاوہ ازیں جیل میں وہ قیدی جو اپنی "شرافت" اور فرمانبرداری کی وجہ سے "مقدم" اور "جمعدار" کے "عہدے" تک ترقی کر جاتے ہیں۔ وہ بھی جیل اسٹاف سے مل کر قیدیوں پر مظالم کرنے میں کسی کوتاہی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

ہم اسیروں کے شب و روز قابلِ رحم تھے لیکن عوامی حکومت کے دور میں نام نہاد قومی اتحاد کی طرف سے کیے جانے والے ہنگاموں میں آگ لگانے، لوٹ مار کرنے اور قتل و غارتگری کرنے کے الزام میں سزا پانے والے قیدیوں کے ساتھ جیل حکام کا سلوک انتہائی مشفقانہ تھا۔ انہیں ہر طرح کی سہولت حاصل تھی۔ گھر کا کھانا، اپنا سوکھا راشن منگوا کر خود پکانے کی انہیں خصوصی اجازت تھی۔ انہیں سارے اخبارات و رسائل دیے جاتے اور ان سے ملاقات پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ تقریباً دو ماہ اسی ماحول میں گزرے لیکن چند ناسمجھ اور سیاسی سوجھ سے عاری پی پی پی کے

کارکنوں کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کی وجہ سے ضلع دادو اور ٹھٹھہ کے چند کارکن آپس میں لڑ پڑے۔ اس جھگڑے کے بعد جیل حکام نے تیس ۳۰ افراد کو جن میں زخمی بھی شامل تھے۔ وارڈ نکال کر بند کوٹھڑیوں میں ڈال دیا گیا۔ نہ صرف بلکہ ان اسیروں کی شلواروں سے ازار بند نکال لیے گئے۔ انہیں صرف رات کو ایک چھلنی نما کمبل دیا جانے لگا اور صبح و شام ان کی ڈنڈوں سے مرمت کی جانے لگی۔ ان کی ملاقات اور بیڑی سگریٹ بند کر دی گئی۔ اس کے علاوہ ان کے "جرم" کی سزا دوسرے اسیروں کو بھی دی گئی۔ تمام نظربندوں کو روزانہ صبح جوڑی جوڑی بٹھا دیا جاتا اور ان سے جھاڑو لگوائی۔ جب ہم نے اپنے ساتھ ناروا سلوک پر احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ سکھر، کراچی، خیرپور اور حیدرآباد کی نارا جیل میں نظربندوں سے کام نہیں لیا جاتا لیکن ہماری صدا جیل کی فصیلوں اور آہنی دروازوں سے ٹکرا کر رہ گئی۔

جیل میں کاغذ قلم رکھنا جرم تھا لیکن میں نے بڑی مشکل سے یہ چیزیں جمع کیں اور پی پی پی کے بعض سرکردہ افراد کو یہاں کا احوال لکھ بھیجا لیکن ان افراد نے اپنے کارکنوں کی خبر نہیں لی۔ پتہ نہیں کیوں ایسا ہوا۔ بہرحال جب ہم یہ سنتے کہ خاتونِ ملت بیگم بھٹو خود اسیر کارکنوں کے گھروں پر جاتی ہیں اور ان سے اظہارِ ہمدردی کرتی ہیں تو ہمارے دل خوشی سے باغ باغ ہو جاتے۔ جب ہمیں یہ خبر ملتی کہ بیگم بھٹو نے تمام سرکردہ افراد سے کہا کہ وہ نظربندوں کو قانونی امداد فراہم کریں تو ہم خوشی سے جھوم اٹھتے۔ لیکن ہر خوشی کی طرح ہماری یہ خوشیاں بھی لمحاتی ہوتیں۔ ۱۱ اکتوبر کو جنرل ضیاء الحق نے انتخابات ملتوی کرنے اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرنے کا اعلان کیا تو پی پی پی کے "بڑے لوگ" بھی گرفتار ہوئے۔ اور بعد ازاں ان میں سے بیشتر نے چند دن کی جیل یاترا کے بعد رہائی پائی۔ جیل انتظامیہ کے چند ذمہ دار افراد نے ہم اسیروں سے کہا کہ تم لوگ اگر معافی نامے لکھ کر دو تو تمہیں رہائی نصیب ہو سکتی ہے۔ ورنہ تمہیں جیل میں سڑا دیا جائے گا۔ ہم مایوسی اور امید و بیم کی عجیب و غریب کیفیت کا شکار تھے۔ ہمارے ساتھ موجود غریب کارکن ایک طرف تو جیل کی سختیاں برداشت کر رہے تھے اور دوسری طرف انہیں اپنے گھروں اور فاقہ زدہ اہل و عیال کی فکر تھی۔ ان کے پاس نہ کپڑے تھے نہ صابن اور تیل اور نہ ہی ان سے کوئی ملاقات کرنے آتا تھا۔ ہمارے مقابلے میں سازش کیس کے ملزم بڑے عیش میں تھے۔ انہیں "اے اور بی" ملی تھی۔ علاج معالجہ اور کھانے پینے کی تمام سہولتیں تھیں۔ ٹی وی، ریڈیو، ہیٹر، بجلی کی استریاں، قیمتی قالین، اسٹیل کی کرسیاں، قیمتی صوفہ سیٹ اور ان کے ملاقاتیوں کے لیے چائے ٹھنڈا، بسکٹ، فروٹ وغیرہ۔

ہم تمام نظربندوں کو مارشل لاء ریگولیشن ۱۲ کے تحت تین ماہ کے لیے نظربند کیا گیا تھا۔ جب تین ماہ بیت گئے تو ضلع سانگھڑ کے آٹھ کارکنوں کے علاوہ دیگر کو رہائی نصیب ہوئی۔ ہم نے اپنے بارے میں مارشل لاء سے رجوع کیا تو ہمیں نظربندی میں مزید تین ماہ کے اضافہ کا "لیٹر" دکھایا گیا۔ ہم میں سے بعض کارکن مختلف امراض کا شکار تھے۔ میں شوگر کا مریض، حسین بخش وسان ٹائیفائڈ کا مریض اور کوئی نمونیا کا شکار تو کوئی کسی اور موذی مرض میں مبتلا لیکن ہمارے علاج معالجہ پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ جیل کے میڈیکل افسر نے سفارش بھی کی لیکن نتیجہ صفر۔ ۵ جنوری کی شام مزید کارکن اور رہنما حیدرآباد جیل میں آئے۔ ۶ جنوری کو شہدادپور کے کارکن عبدالسلام تھیم اور غلام رسول انڑ کی سرکردگی میں داخل زنداں ہوئے۔ عبدالسلام تھیم اور غلام رسول انڑ کے چہرے باوجود کوڑوں اور ایک ایک سال قید سخت کی سزا کے باوجود چمک رہے تھے۔ ان کے حوصلے اور عزم جوان تھے۔

۳۰ جنوری کو ہمیں مارشل لاء حکام نے حیدرآباد سے سانگھڑ طلب کیا۔ تین کارکن غلام رسول مجاہد، وزیر حسین اور نظر حسین سکھر جیل سے یہاں پہنچ گئے۔ ہمیں "ملٹری کورٹ" میں پیش کیا گیا اور پھر ہم ناکردہ گناہوں کو رہائی نصیب ہوئی۔ جب ہم رہا ہوئے تو سینکڑوں کارکن و اخباری نمائندے باہر استقبال کو کھڑے تھے۔ ان کے پُرعزم چہرے ہمارے چہروں پر عزم و ہمت پرچھائیاں تلاش کر رہے تھے۔ جب یہ کارکن ہمارے سینوں سے سینہ ملا رہے تھے تو ہمارے دل ایک دوسرے کو مبارکباد کا پیغام دے رہے تھے۔

سرگودھا اور میانوالی میں یومِ جدوجہد

یوم جدوجہد کے سلسلہ میں سرگودھا میں محنت کش ایکشن کمیٹی، موہنی فلور ملز مزدور یونین کے کارکنوں نے بازوؤں پر سیاہ پٹیاں باندھیں۔ تینوں مزدور تنظیموں کا ایک مشترکہ اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے تحقیقاتی رپورٹ پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ اجلاس میں اس امر پر حیرت کا اظہار کیا۔ صرف ایک ایس آئی اور ایک کانسٹیبل کو تمام واقعہ کا مجرم ٹھہرایا گیا جب کہ مزدوروں پر وحشیانہ تشدد پولیس کی بھاری تعداد نے کیا۔ اتنے بڑے سانحہ کی کارروائی انتظامیہ کے اعلیٰ افسران اور مل مالکان کے بغیر ناممکن نظر آتی ہے۔ اجلاس میں متفقہ طور پر متعدد قراردادیں پاس کی گئیں۔ قرارداد میں تحقیقاتی رپورٹ پر عدم اطمینان کا اظہار کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ تحقیقات از سر نو کھلی عدالت میں ہائی کورٹ کے جج صاحبان کی سرپرستی میں کرائی جائے۔ نیز تحقیقاتی کمیٹی میں مزدور نمائندوں کو شامل کیا جائے۔ ٹریڈ یونین سرگرمیاں بحال کی جائیں۔ مزدوروں کو ہڑتال کا حق دیا جائے۔ تمام مزدور کسان اور سیاسی ورکرز کو رہا کیا جائے۔ مزارعین کی بے دخلیاں بند کی جائیں۔

یوم جدوجہد پر گورنمنٹ ڈگری کالج میانوالی کے طلباء نے جلوس نکالنے کی کوشش کی۔ ابھی طلباء کالج کے احاطے میں ہی تھے کہ پولیس احاطے میں داخل ہو گئی اور وارننگ دیئے بغیر لاٹھی چارج شروع کر دیا۔ حالانکہ طلباء پُرامن تھے۔ پولیس نے کالج کے احاطے میں ہی تو طلباء ولی محمد انجم کنوینر انقلابی محاذ طلباء میانوالی، طارق عالم صداقت نیازی، ساجد نیازی اور سرفراز خان وغیرہ کو گرفتار کر لیا۔ گرفتار شدگان کو اسی دن تھانہ صدر میں رکھا گیا۔ اور پھر سات طلباء کو سنٹرل جیل میانوالی بھیج دیا گیا۔

مزے کی بات یہ ہے کہ جس وقت پولیس نے پُرامن طلباء پر لاٹھی چارج کیا، عین اسی وقت قومی اتحاد کے سیکرٹری جنرل پروفیسر غفور اور امیر جماعت اسلامی میاں طفیل نے میانوالی میں قدم رکھا۔ چنانچہ اکثر عوامی حلقے مذکورہ بالا رہنماؤں کے دورے کے بارے میں یہ کہتے سنائی دیئے۔ "جتھے پیر اُتھے قہر"

انجمن شہریاں ضلع میانوالی کے صدر اقبال خان ایڈووکیٹ نے طلباء پر لاٹھی چارج اور گرفتاریوں کی مذمت کرتے ہوئے اسیر طلباء کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔

ترنم عزیز کیس

پولیس کی "کارکردگی" شکوک وشبہات

نمائندہ خصوصی

ترنم عزیز پاکستان کے دیگر ہزاروں اغوا ہونے والے بچوں کی طرح اغوا ہوئی اور پولیس کی "ناقابل فراموش بھاگ دوڑ" کے باوجود قتل کردی گئی۔ یہ اغوا اور قتل کا کیس دوسری وارداتوں سے اس لئے مختلف تھا کہ اس واردات کے ذمہ دار افراد نے ترنم کے والد سے ایک بھاری رقم کا مطالبہ کیا تھا۔ اس لئے یہ کیس پاکستان کے ہر شہری کے کانوں تک پہنچ گیا ورنہ اس کا بھی وہی حشر ہوتا جو اس نوعیت کے دیگر کیسوں کا پولیس اپنی کارکردگی کے سہارے کرتی ہے۔

ترنم عزیز اغوا ہوئی۔ ملزمان نے بھاری رقم کے عوض اسے چھوڑنے اور رقم نہ دینے کی صورت میں اسے قتل کرنے کے ارادے سے مرزا عزیز بیگ کو آگاہ کیا۔ اخبارات نے ملزمان کا دھمکی آمیز خط شائع کیا۔ پولیس روایتی انداز میں سرگرم ہوگئی۔ حال ہی میں جیل سے سزا کاٹ کر یا ضمانتوں پر آنے والے ملزمان یا مجرموں کی گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ دن گزرتے رہے، پولیس کے خلاف عوام میں لاوا پکتا رہا۔ آخر کار ترنم قتل کردی گئی اس کی مسخ شدہ لاش دریافت ہوئی۔ عوام کا لاوا پھٹ پڑا۔ پولیس کے خلاف ملک گیر احتجاج ہوا۔ پولیس کے ارباب حل وعقد نے ترنم عزیز کیس کے ایک فرضی ملزم کو گرفتار کرلیا۔ اخبارات میں بڑی بڑی سرخیاں لگائی گئیں۔ تاکہ پولیس کے خلاف ابھرتے والی نفرت کی لہروں کو منجمد کردیا جائے لیکن یہ سحر چند لمحوں ہی میں ٹوٹ گیا۔ اور پولیس نے فرضی ملزم ابراہیم کے بارے میں چپ سادھ لی۔ بھانڈا چوراہے پر پھوٹ گیا تھا۔ مزید تحقیقات شروع ہوئی۔ آخر کار پولیس "اصل مجرموں" کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوگئی۔ اس کیس میں سرگرمی دکھانے والے پولیس والوں کی ترقی ہوگئی۔ اخبارات نے پھر ایک بار شہ سرخیوں میں گرفتاریوں کی روئیداد شائع کی۔ ملزمان کی تصویریں اور ان کے اقبالی بیان اخبارات کے کالموں کی زینت بنے۔ لیکن ایک سوال پھر بھی لوگوں کے ذہن میں گونجنے لگا۔ کیا گرفتار شدگان واقعی "مجرم" ہیں؟ اس سوال نے ہر فرد کے تحقیقی جذبہ کو ابھارا۔ اور پھر پولیس کے بیانات تضادات کا مجموعہ نظر آنے لگے۔

ترنم کے اغوا اور قتل کے کیس کے اونٹ کی نکیل پولیس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس اونٹ کو اب تک دو مرتبہ اپنی مرضی کے مطابق فرش نشین کر چکی ہے لیکن ہر بار یہ اونٹ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور ایسی سمت میں بھاگنے کی کوشش کرتا ہے جو پولیس کے مفادات کے خلاف ہے۔

پولیس نے ترنم کے اغوا اور قتل کے الزام میں پانچ افراد کو گرفتار کیا۔ ان کا ریمانڈ حاصل کیا اور ان کے خلاف تفتیش شروع کردی۔ اس تفتیش کے نتیجے میں گرفتار شدگان نے اقرار جرم کرلیا۔ ملزمان کو عدالت سے پہلے صحافیوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ وکیل صفائی سے پہلے صحافیوں نے ملزمان سے سوالات کئے۔ صحافیوں کو اقرار جرم اور انکار جرم دونوں صورتیں نظر آئیں۔ کہا جاتا ہے کہ تا حال ملزمان کا کسی مجسٹریٹ کے آگے بیان قلم بند نہیں کرایا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ کچھ پھندنے اس کیس میں اور نکل آتے۔ جو سب کے سب پولیس کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔

کہا جا رہا ہے کہ پولیس نے ملزمان سے اقرار جرم کرانے کے لئے بے پناہ تشدد کیا۔ اور ملزمان نے تشدد ہی کے خوف سے "اقرار جرم" کرلیا۔ کسی بھی کیس میں پولیس کی تفتیش کا نام ہی ملزمان پر تشدد ہوتا ہے۔ حالانکہ تفتیش کا مطلب ایسے حقائق کی چھان بین ہے جو ملزم کو مجرم بنانے میں ممد و معاون ہوں بلکہ ہماری پولیس کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔

ایک طرف تو ملزمان پر انسانیت سوز اور بہیمانہ تشدد کیا جاتا ہے اور دوسری طرف ملزمان کو "مجرمان" میں زبردستی تبدیل کرنے کے بعد انہیں یہ دھمکی بھی دی جاتی ہے کہ اگر تم نے کسی مجسٹریٹ کے آگے پولیس تشدد کی کہانی سنائی تو تمہارا مزید چودہ دن کا ریمانڈ لے لیا جائے گا۔ اور پھر چودہ دن مرچوں کا دھواں تمہارا مقدر ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ ملزم توقیر کی بہن کا مکان جس میں اغوا کے بعد ترنم کو رکھا اور قتل کیا گیا گنجان آبادی کے درمیان ہے لیکن محلے کے کسی فرد نے ملزمان کی مشکوک اور مشتبہ سرگرمیوں پر توجہ نہیں دی۔ جب کہ ترنم کے اغوا اور مجرموں کی طرف سے بھاری رقم کے مطالبے پر ہر شخص اپنے آپ کو بھی شک کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ ترنم ۴ فروری کو اغوا کی گئی اور اپنے قتل تک یہاں رہی۔ اس دوران مجرموں کی آمد ورفت رہی۔ کاروں کا آنا جانا رہا۔ پولیس کہتی ہے کہ یہ مکان ملزم توقیر کی بہن کا ہے اور اس دوران خالی تھا۔ حالانکہ اس بیان کے خلاف ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ مکان اس دوران خالی ہی نہیں رہا۔ اس مکان سے تادم تحریر پولیس نے ملزمان کے فنگر پرنٹ بھی حاصل نہیں کئے۔

کہا جاتا ہے کہ جس کار میں ترنم کو اغوا کیا گیا۔ اس کار کی حیثیت بھی متنازعہ ہے۔ پولیس اور ملزمان کے بیان میں تضاد ہے۔ پولیس کی طرف سے کبھی نیو کراچی سے اغوا کی جانے والی کار کو اغوا میں استعمال ہونے والی کار بتایا جاتا ہے کبھی عزیز احمد بیگ کے دوست کی کار کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔

اس کیس کے "اصل مجرم" نیر مرزا کی والدہ نے جنرل ضیاء الحق کے نام خط کے ذریعہ پورے کیس کو ہی سر کے بل کھڑا کر دیا ہے۔ انہوں نے عزیز بیگ اور اپنے درمیان کسی گھریلو تنازعہ سے انکار کیا۔ ۱۱ لاکھ روپے کے اسکینڈل کی بھی تردید کردی۔ اپنے بیٹے کو شریف النفس قرار دیا۔ اور ہائی کورٹ میں مقدمہ چلانے کا مطالبہ کردیا ایک اطلاع کے مطابق نیر مرزا اسلامی جمعیت طلبہ کا رکن ہے اور خاصی سرگرمی سے طلباء میں اپنا مقام بنا رہا تھا۔ نیر مرزا کا بھائی بھی سابق مشرقی پاکستان میں جماعت اسلامی کے دہشت پسند گروہ البدر کا رکن تھا اور ہنگاموں کے دوران قتل کردیا گیا۔ ترنم کے والد نے بھی کہا ہے کہ میری بیٹی قتل کی گئی اور میرے بھتیجے کو ہی اس الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ آخر یہ کیا تماشہ ہے اس مختصر صورت حال کی روشنی میں جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ اس بار بھی پولیس کی کارکردگی شکوک و شبہات سے بالا نہیں ہے۔ ممکن ہے جب آپ یہ سطور پڑھ رہے ہوں اس وقت تک یہ کیس کوئی اور رُخ اختیار کرچکا ہو۔

المیہ گولیمار کے
ذمہ دار کون

یقین دہانی کے باوجود انتظامیہ جان و مال کی حفاظت کرنے میں ناکام ہوگئی

نمائندہ الفتح

اسلام، امن اور آشتی کا پیامبر ہے غیر مذاہب کے معاملے میں بھی روا داری اور فراخ دلی کا درس دیتا ہے قرآن حکیم میں کہا گیا ہے: "تمہارے لیے تمہارا دین، ہمارے لئے ہمارا دین"۔ لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عجیب معاملہ ہے ہر مکتبۂ فکر کے سامری نے اپنے پیروکاروں کے کانوں میں پھونک دیا ہے کہ ہمارا مسلک ہی حقیقی معنوں میں اسلام کے مطابق ہے ہمیں وارثِ اسلام، منبر و محراب ہیں دیگر مکاتیبِ فکر کے پیروکار بدعتی اور مشرک ہیں۔ اس پروپیگنڈہ کے پس پردہ سیاسی محرکات ہیں اسلام کی خدمت نہیں۔ مذہبی سیاسی جماعتوں کے پاس نہ تو سیاسی پروگرام ہے اور نہ عوامی مسائل کا حل،۔ چنانچہ دکانِ سیاست کو چمکانے کے لیے لوگوں کے مذہبی جذبات سے کھیلا جاتا ہے اور اس کا نتیجہ ۱۲۔ ربیع الاوّل کو اس طرح سامنے آیا کہ مارنے والے کی زبان پر بھی خدا کا نام تھا۔ اور مرنے والے کے لب پر بھی خدا کا نام تھا۔

سانحہ گولیمار پاکستان کی تاریخ کا دوسرا بڑا فرقہ وارانہ تصادم کا واقعہ ہے سب سے بڑا واقعہ ٹھیڑی ضلع خیرپور میں ۱۹۶۳ء میں ہوا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس تصادم میں تقریباً چار سو افراد جاں بحق ہوئے تھے۔

المیہ گولیمار ۱۲، ربیع الاوّل کو رونما ہوا۔ اس لیے ضروری ہے کہ سیرت النبیؐ کے جلوس کی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیا جائے غیر منقسم برصغیر میں سیرت النبیؐ کے جلوس انجمن مسلمانانِ پنجاب کے زیر اہتمام نکلتے تھے کراچی میں ۱۹۶۰ تک سیرت النبیؐ کا صرف ایک جلوس اسی انجمن کے زیر اہتمام میمن مسجد سے نکلتا تھا۔ اور اب بھی نکلتا ہے۔ اس جلوس کی رہبری یا نگرانی اسلامی حیدری اسکاؤٹ (شیعہ اسکاؤٹ) کرتے ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں اس وقت کے حاکم ایوب خان نے بجانے کن اسباب کے تحت کراچی کے مختلف علاقوں سے سیرت النبیؐ کے جلوس برآمد کرنے کی اجازت دیدی۔ چنانچہ گولیمار اور لیاقت آباد سے بھی جلوس نکالنے لگے۔ ان جلوسوں کے لیۓ چندہ جمع کیا جاتا اور ہر مکتبہ فکر کے لوگ اپنی استطاعت کے مطابق چندہ دیتے۔ شیعہ حضرات بھی جلوس میں شریک ہوتے سبیل لگاتے۔ غرضیکہ بھائی چارے کی فضا تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ فضا بدلنے لگی۔ گولیمار میں پہلا تصادم ۸ ربیع الاوّل کو ہوا۔ اس تاریخ کو "شیعانِ علی" کا چپ تعزیہ نکلتا ہے گولیمار میں اس کا جلوس امام بارگاہ جعفریہ سے نکلتا ہے ۱۹۷۵ء میں "چپ جلوس" برآمد ہونے سے قبل لیاقت چوک میں "بابِ ابوبکر" بنا دیا گیا، حالانکہ اس سے قبل یہ محراب "چپ تعزیہ" نکلنے کے بعد رات کو بنائی جاتی تھی چپ جلوس کے شرکاء نے "بابِ ابوبکر" کے نیچے سے نکلنے سے انکار کر دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ اس محراب کو ہٹایا جائے چنانچہ جھگڑا ہوا۔ اسی طرح ۱۹۷۶ء اور ۱۹۷۷ء میں بھی ہوا۔ اور اس سال بھی ۸ ربیع الاوّل کو ہوا۔ لیکن اس مرتبہ بڑا ہنگامہ ہوا سولہ سالہ اشرف حسین گولی لگنے سے اور تجمل حسین چاقو لگنے سے زخمی ہوا۔ پانچ افراد پتھراؤ سے زخمی ہوئے چھ اسکوٹر جلا دیئے گئے، چمن ڈیکوریشن، اسٹینڈرڈ سینٹری، زین العابدین گھی اسٹور اور وحید فرنیچر نذرِ آتش کر دیئے گئے، جلوس کے شرکاء احتجاجاً دھرنا مار کر بیٹھ گئے اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ جلوس تقریباً تین گھنٹے جاری رہا۔ حیدری مسجد میں علماء کرام اور انتظامیہ کے حکام کی ایک میٹنگ ہوئی۔ جس میں علامہ طالب جوہری، وحید الحسن رضوی، عنایت حسین صاحب کمشنر کراچی پرویز بٹ، ڈی سی، ڈی آئی جی اور ایک بریگیڈیئر نے شرکت کی۔ انتظامیہ نے یقین دلایا کہ عوام کے جان و مال کا تحفظ کیا جائے گا۔ اس یقین دہانی کے بعد جلوس کو آگے بڑھایا گیا۔ لیکن صورتحال درست نہ ہوئی۔ ۹ ربیع الاوّل کو جعفر برادرس کی دکان لوٹ لی گئی۔ اور ۱۱۔ ربیع الاوّل تک اکثر دکانیں بند رہیں۔ ان پر لکھا تھا "دکان احتجاجاً بند ہے" ۸، ربیع الاول کو ہی ایک امن کمیٹی بنائی گئی جن میں جگن خان تنویر حسینی، عبدالمعبود خان، جمعہ خان، قاری عبدالعلیم، آفتاب عالم قریشی، مسیب رضا، مردان جعفری، عالم علی، مولانا عباس کمیلی (کمشنر امن کمیٹی کے مستقل رکن) مظفر حسین (کمشنر امن کمیٹی کے مستقل رکن) شامل تھے۔ دریں اثنا علاقے کے لوگوں نے فیصلہ کیا کہ اس سال بطور احتجاج ۱۲، ربیع الاوّل کو چراغاں نہیں کیا جائے گا۔

۱۲، ربیع الاول کو سیرت النبیؐ کا جلوس حسب معمول مین روڈ پر آیا۔ نگرانی کے لیۓ بھاری تعداد میں پولیس موجود تھی۔ جلوس پرسکون تھا۔ یکایک اعلان ہوا "والس چلو رضویہ میں ایک آدمی قتل ہوگیا ہے"۔ پھر یکایک پتھراؤ اور خنجروں، چاقوؤں کا استعمال شروع ہوگیا۔ مکانات اور دکانوں کی توڑ پھوڑ شروع ہوگئی۔ اور آگ لگائی جانے لگی فوج کو طلب کر لیا گیا۔ لیکن بات نہیں بنی۔ اسرار نقوی، سید کرار حسین، زاہد اختر عثمانی، جاوید حسین، شہنشاہ حسین، سردار احمد انور حسین اور عشرت علی، جاں بحق ہوئے۔ اور تیس سے زائد افراد زخمی ہوئے۔ پولیس نے عبدالمجید، فراست حسین، عبدالرؤف نیاز محمد، شاہد اختر، ارشد بیگ، شکیل احمد، محمد صدیق، محمد رمضان، ڈاکٹر جاوید، ممتاز علی، سید طالع، حسن رضا، محمد عباس، علی حیدر، آفتاب علی، ہاشم رضا، گوہر حسین، حسن قیصر، محمد یوسف، مقصود حسین، جاوید اقبال، محمد رضا، سید محمد عباس، قاسم مہدی، سید عشرت، منصور رضا فیض علی اور دیگر ۹، افراد کو گرفتار کر لیا۔ آتشزدگی اور توڑ پھوڑ سے ۴۹ مکانات، تین کلینک اور تقریباً بارہ دکانیں متاثر ہوئیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ۱۲، ربیع الاول کی رات کو مبینہ طور پر امام بارگاہ رضویہ پر بھی حملہ کیا گیا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ علی بستی کے بالمقابل سندھی پاڑہ واقع ہے یہاں کے باشندوں نے بلا امتیاز فرقہ متحد ہو کر حملہ آوروں کو روکا۔ جس کی وجہ سے یہ علاقہ تخریب کاری سے محفوظ رہا۔

سانحہ گولیمار کے بارے میں علماء اور شہری کہتے ہیں

ممتاز شیعہ عالم علامہ سید ابن حسن نجفی نے آج میں نے ایک مجسٹریٹ کی معیت میں علی بستی (گولیمار) کا دورہ کیا۔ جلے ہوئے مکان اور پھنکی ہوئی دکانیں دیکھیں۔ اس لٹی ہوئی آبادی اور اس کے تباہ حال سابق مکینوں کا حالِ زار اگر سرسری طور پر بھی قلم بند کیا جائے تو دنیا کا ہر شخص اسے سنسنی خیز افسانہ قرار دے گا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وحشت و بربریت کے یہ کارنامے قرونِ اولیٰ کے آدم خور قبائل نے نہیں انجام دیئے بلکہ بیسویں صدی کے آخری دور، تیسری دنیا کی قیادت کے خواب دیکھنے والے ملک اور اسلام کے نام پر قائم ہونے والی ریاست پاکستان کے سب سے بڑے کاسموپولیٹن شہر کراچی میں اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے دن دہاڑے پولیس اور فوج کی آنکھوں کے سامنے ظہور پذیر ہوئے۔

واقعات کی ابتداء کیونکر ہوئی، واقعی محرکات کیا تھے؟ موجودہ حالات میں ان پر تبصرہ کرنا خاصا مشکل ہے لیکن ایک بات ضرور کہی جاسکتی ہے اور وہ یہ کہ دنیا جہان میں اقلیتی فرقوں کے تحفظ کی ذمہ داری اکثریت کا شہری فریضہ سمجھا جاتا ہے۔ اب مجھے وہ ضمیر جواب دیں جن میں کچھ زندگی پائی جاتی ہے کہ کیا یہ شہری فرض انجام دیا گیا؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو پھر گولیمار میں آگ کی بارش اور خون کے دریا کیسے بہے؟ اور اگر نفی میں جواب ملتا ہے تو پھر اس داستان درد کی بکھرے ہوئے صفحوں میں سے پہلے ورق کا تلاش کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔

مولانا احتشام الحق تھانوی نے کہا کہ گولیمار کراچی میں مذہب کے نام پر جو فرقہ وارانہ ہنگامہ ہوا اور جس میں گھروں اور دکانوں کو آگ لگادی گئی اور بہت لوگ ہلاک و زخمی ہوئے اس لئے اور بھی زیادہ شرمناک ہے کہ باہمی خونریزی کا یہ واقعہ اس اسلامی ملک میں پیش آیا جس دن رحمتِ عالمؐ کی ولادت باسعادت پر پوری قوم کو نذرانۂ عقیدت و محبت پیش کرنا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک دوسرے کی جان لے کر نہ صرف اسلامی ملک اور مقدس دن کی ناقدری کی بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو بھی ناراض کیا۔ فرقہ وارانہ منافرت کی خلیج اگرچہ حکومت کی غلط پالیسیوں اور انتظامیہ کی سہل انگاریوں کی پیدا کردہ ہے، مگر ہمیں، اپنے ملک اور دین کو فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھانے میں آلۂ کار کے طور پر استعمال نہیں ہونا چاہیئے انہوں نے کہا کہ ہلاک ہونے والوں کے ورثا کو اور تباہ ہونے والی املاک کے مالکوں کو حکومت معقول معاوضہ ادا کرے اور باہمی منافرت کی خلیج کو پاٹنے کی کوشش کرے

پاکستان قومی اتحاد کے رہنما اور جمعیت علما پاکستان کراچی کے ناظم اعلیٰ حاجی محمد حنیف طیب اور حافظ محمد تقی نے ایک مشترکہ بیان میں گولیمار کے اندوہناک خونی حادثہ پر انتہائی رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا گولیمار میں یک طرفہ کارروائی اور انتظامیہ کی امن و امان کی بحالی میں ناکامی ایک شرمناک اور انتہائی قابلِ مذمت واقعہ ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ گولیمار کے فساد میں ملوث افراد کو گرفتار کر کے اس المناک واقعہ کی عدالتی تحقیقات کرائی جائے۔

ممتاز عالم دین مولانا محمد شفیع اوکاڑوی نے کراچی کے علاقہ گولیمار میں ہونے والے ہنگامے پر گہرے افسوس کا اظہار کیا ہے۔ مولانا نے حکام سے کہا ہے کہ اس ہنگامے کی مکمل تحقیقات کی جائے۔

مولانا ظفر احمد انصاری نے کہا کہ کل جو واقعہ ہوا ہے اس نے سارے لوگوں کو جن کے دل میں پاکستان کا، اسلام کا کوئی درد ہے۔ اس کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ یہ اس دن ہوا جس دن رحمت اللعالمین کے یوم پیدائش کی تقریب منائی جا رہی تھی ہم سب کا فریضہ ہے کہ ہم لوگ اپنے اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں اور دیکھیں کہ ہم نے کیا کیا ہے' کیا ہم نے اس عظیم ذاتِ گرامی کے ساتھ عقیدت کا اظہار کیا ہے جو سب کے لئے مشترک ہے جو شیعوں کا بھی رسول ہے اور سنیوں کے بھی رسول ہیں۔

شیعہ فیڈریشن کے چیئرمین سید اشرف رضوی نے سانحہ علی بستی کو ایک منظم سازش کا نتیجہ قرار دیا۔ نمائندہ الفتح کو "سازش" کا پس منظر بتاتے ہوئے کہا" پاکستان میں بعض مکتب فکر بڑے سائنسی انداز میں شیعانِ علیؓ کے خلاف نفرت پھیلانے میں مصروف ہیں۔ ایک مکتبۂ فکر نام نہاد جدید ریسرچ کے ذریعے یزید کو برحق اور جائز خلیفہ قرار دیتا ہے۔ گذشتہ پانچ چھ سال سے تو عجیب ماجرا ہو گیا ہے۔ اسلامی سال نو کے آغاز پر اخبارات میں مختلف اداروں کی جانب سے اشتہارات شائع کرائے جاتے ہیں۔ "نیا سن ہجری مبارک۔ اسلامی سال نو مبارک" حالانکہ سن ہجری کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا ہے اور یہ ماہ مسلمانوں کے کسی بھی مکتب فکر کے لئے خوشی کا باعث نہیں ہوتا۔ کیونکہ محرم میں نواسہ رسول شہید ہوتے تھے۔ پاکستان میں ۲۵ سال تک ایسے اشتہارات شائع نہیں ہوتے تھے۔ بھارت میں تو آج بھی نہیں ہوتے، علاوہ ازیں ایک گروہ یکم محرم کو "یوم شہادت عمرؓ" مناتا ہے۔ یہ تاریخ شہادت متنازعہ ہے۔ تقسیم ہند سے قبل کہیں بھی یکم محرم کو "یوم شہادت عمرؓ" نہیں منایا گیا۔ بھارت میں تو اب بھی اس تاریخ کو نہیں منایا جاتا۔ قیام پاکستان کے بعد ہی "جدید ریسرچ" کے ذریعے یہ تاریخ ثابت کی گئی ہے۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ مذہبی منافرت کو جنم دے رہے ہیں۔"

انہوں نے کہا: "۸ ربیع الاول کو ہونے والے واقعہ کے بعد اگرچہ گولیمار میں پولیس اور فوج لگادی گئی تھی۔ اس کے باوجود ہڑتال مسلسل تین دن تک کی گئی حالانکہ مارشل لا کے تحت ہڑتال غیر قانونی ہے امن و عامہ کے محافظوں نے اس سلسلے میں خاموشی کیوں برتی، یہ غور طلب بات ہے۔ اس کے علاوہ بطور احتجاج ۱۲ ربیع الاول کو بائیکاٹ کا اعلان بھی کیا گیا تھا۔ اس اعلان کے بعد جلوس نکالنے کا کیا جواز تھا۔ میلاد النبی کا جلوس ۹ بجے صبح روڈ پر آیا۔ اور لڑائی کا آغاز تقریباً گیارہ بجے ہوا۔ گاڑیوں پر لدی ہوئی دیگوں میں پتھر تھے۔ اور لاؤڈ اسپیکر سے باقاعدہ اعلان کیا جا رہا تھا: "مجاہدین اسلام گولیمار چلو، کفار سے مقابلہ ہے" اور بڑا حملہ ساڑھے آٹھ بجے شب کو ہوا۔ جب کہ فوج وہاں آچکی تھی۔ رضویہ کالونی میں چار ڈاکٹروں کے دواخانے ہیں۔ شریعت اللہ صدیقی، ڈاکٹر ندیم الحسن نقوی، ڈاکٹر جعفری اور ڈاکٹر ذی شان، ان کے ساتھ ہی مولانا صادق صاحب (پیش نماز) کا گھر ہے۔ تین شیعہ ڈاکٹروں کے کلینکوں اور مولانا کے گھر پر حملہ ہوا۔ اور نذر آتش کیا گیا سنی ڈاکٹر کا دواخانہ محفوظ رہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حملہ آوروں کی رہنمائی کسی اہل محلہ نے ہی کی ہوگی۔ باہر سے آئے کر کیا معلوم کہ کون شیعہ اور کون سُنی۔ اس کے برعکس ہم نے تشدد کا جواب صبر سے دیا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ رضویہ کے قلب میں سنی حضرات کی تقریباً ایک سو دکانیں ہیں

ان کی کوئی دکان نہیں جلی۔ اور احتجاجی ہڑتال کے دوران بھی یہ دکانیں کھلی رہیں۔"

علی بستی کے بشیر الحسن نے انتظامیہ پر جانبداری کا الزام لگاتے ہوئے کہا " ۱۲ ربیع الاول کو گولیمار تھانے والوں نے ہماری جانب سے ایف آئی آر درج کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ "ہمیں لکھ کر دو۔" سادے کاغذ پر ہم نے رپورٹ لکھ کر دی۔ پولیس نے رجسٹر میں اندراج نہیں کیا۔ اور رسید دینے سے بھی انکار کر دیا۔ ۲۳ فروری کو صدر پوسٹ آفس والوں نے ایک ٹیلیگرام جو ایس ایچ او گولیمار، ایس ڈی ایم ناظم آباد، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ویسٹ کراچی جسٹس آئی محمود اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر زون "سی" کو ایڈرس تھا قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر یہ ٹیلیگرام لیکر ہم میکلوڈ روڈ گئے۔ وہاں تار گھر کے پانچ اہلکاروں نے ٹیلیگرام پڑھنے کے بعد کہا کہ "اپنا قومی شناختی کارڈ لاؤ، اس کے بغیر ہم یہ ٹیلیگرام نہیں لیں گے۔" حالانکہ ٹیلیگرام پر میرا پتہ درج تھا۔"

ڈاکٹر جاوید کی والدہ نے اس الزام پر کہ ان کے بیٹے (ڈاکٹر جاوید) نے سیرت النبیؐ کے جلوس پر اپنے گھر سے فائرنگ کی تھی، تردید کرتے ہوئے نمائندہ الفتح کو بتایا "ہمارے گھر میں ایک پستول ایک بندوق دو، اتمی زنجیریں ایک لوہے کی سلاخ اور ایک چھوٹی چھڑی تھی پستول اور بندوق کا باقاعدہ لائسنس ہے بندوق زنگ آلود اور ناقابل استعمال ہے جاوید نرم دل اور سیدھا سادا نوجوان ہے وہ تو اسلحہ کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ البتہ میرے دوسرے بیٹے علی حیدر عرف صفدر نے پستول سے اس وقت ہوائی فائر کیا تھا جب ہمارے گھر کو آگ لگائی جا رہی تھی اور جب فوج نے ڈاکٹر جاوید کو گرفتار کیا تو خود میں نے بندوق اور پستول فوج کے حوالے کر دی تھی۔" انہوں نے مبینہ طور پر الزام لگایا کہ فائرنگ جمعہ خان کے تین منزلہ مکان اور یعقوب مٹھائی والے کے گھر سے کی گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ " ہم بھی رسولؐ کو مانتے ہیں پھر بھلا سیرت النبیؐ کے جلوس پر فائرنگ کیوں کرتے؟ ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو ہمارے گھر کے پاس میلاد ہوتا تھا اس کے لئے لائٹ ہم دیتے تھے انتظامات کرتے تھے۔ اس سال کیونکہ احتجاج کے طور چراغاں کا بائیکاٹ کیا گیا تھا۔ اس لئے لائیٹ کی فراہمی کا انتظام نہیں کیا تھا۔"

ڈاکٹر جاوید کی والدہ نے کہا۔ ۸ ربیع الاول کا ذکر ہے کہ تاری علیم جو گولیمار ۲ میں رہتا ہے بآواز بلند جاوید کہاں ہے، جاوید باہر نکلو" پکارتا ہوا آیا۔ ملازم نے فوراً کلینک کا دروازہ بند کر دیا۔ پھر اسی دن علامہ طالب جوہری اور علامہ عباس حیدر رضوی نے ہمارے ٹیلیفون سے جنرل ضیا سے بات کی۔ جنرل موصوف نے یقین دلایا کہ "مطمئن رہو۔ فوج کا انتظام کر دیا گیا ہے۔" اس کے بعد تین دن مسلسل جاوید نے ہوم سیکرٹری اور ڈی سی ویسٹ سے بات کی۔ ہمارے گھر پر پولیس لگا دی گئی سپاہیوں کی نفری شاید تیرہ تھی کیونکہ رات کو میں نے ۱۳ کپ چائے بھیجی تھی۔ بہرحال ۱۲ ربیع الاول کو جلوس ہمارے گھر کے پاس آکر رک گیا۔ لاؤڈ اسپیکر سے نعرے لگے۔ "۲۵ ہزار کا انعام ہے ڈاکٹر جاوید کا سر چاہیئے" ابھی اثناء میں جمعہ خان کے گھر سے فائرنگ ہونے لگی اور ہم سب چھت پر چلے گئے۔ پولیس کو بھی وہاں سے ہٹا دیا گیا گھر پر پتھراؤ شروع ہوا۔ اور تیل ڈال کر آگ لگا دی گئی اس پر صفدر نے ایک ہوائی فائر کیا۔ پھر فوج آگئی۔ اس کی جانب سے اعلان کیا گیا کہ "ڈاکٹر جاوید خود کو گرفتاری کے لیئے پیش کر دیں۔" اس کے اعلان کے فوراً بعد فوجی گھر میں داخل ہوئے، جاوید کو پکڑ لیا۔ اور میں نے پستول، بندوق، دو زنجیریں، چھری حتیٰ کہ نقدی کا لاکر تک فوجیوں کے حوالے کر دیا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ہمارے ٹیلیفون کی لائن سوا تین بجے کاٹ دی گئی تھی۔ اور بجلی بھی چلی گئی تھی۔"

ڈاکٹر جاوید کی بہن مسز عباس جو فیڈرل بی ایریا میں رہتی ہیں نے بتایا کہ۔ تقریباً اڑھائی بجے ڈاکٹر جاوید کا مجھے فون آیا۔ اور انہوں نے صورتحال بتائی۔ اس پر میں نے ڈی سی ویسٹ اور ہوم سیکرٹری کو رنگ کیئے اور دونوں نے یہی جواب دیا "آپ مطمئن رہیئے۔ ہم نے تحفظ کے اقدامات کر لیئے ہیں" سانحہ کے دوسرے دن میں میجر واسطی کے ساتھ جاوید کے گھر گئی۔ تمام سامان بکھرا ہوا تھا الماری اور دو سوٹ کیس خالی تھے۔ اب اسے اتفاق کہیئے یا ہماری خوش نصیبی کہ پستول اور بندوق کے لائسنس فرش پر پڑے ہوئے مل گئے۔ گھر کی دیواروں پر گولیوں کے نشانات تھے دیوار میں پیوست ایک گولی تو میرے سامنے میجر صاحب نے نکالی۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ حملہ آور ایک سوزوکی میں بھر کر لائے گئے تھے جس کا نمبر ۲۴۲۶ کھام سی تھا یہ نمبر جاوید نے اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا تھا۔"

جمعہ خان نے اس الزام کی تردید کی کہ اس کے گھر سے فائرنگ کی گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ "میں امن کمیٹی کا رکن ہوں۔ مجھے اسی محلے میں رہنا ہے۔ پوری زندگی کا ساتھ ہے۔ میرے خیال میں حملہ آور باہر سے آتے تھے۔"

شہنشاہ حسین (جو ہنگامے میں ہلاک ہو گیا) کی والدہ نے بتایا کہ "حملہ آور آگ لگانے کے لئے ڈرموں میں تیل میں بھیگا ہوا گودڑ لائے تھے۔ انہوں نے پہلے پتھراؤ کیا شہنشاہ دروازے پر کھڑا دفاع کر رہا تھا کہ ایک گولی اس کے سر میں لگی اور وہ جاں بحق ہو گیا۔ میری بیٹی کا جہیز بھی لوٹ لیا۔ پھر ستم یہ کہ حکام نے کہا کہ میت کو فوراً دفن کر دو۔ میں اپنے شیر کا دل بھر کر "دیدار" بھی نہ کر سکی۔ میرا میاں سبزی فروش ہے۔ بڑھاپے عزبت سے پہلے ہی تنگ تھا۔ وہ اپنے شیر بیٹے کی موت کا صدمہ کیسے برداشت کرے گا وہ تو صدمے سے مر جائے گا۔ ہمیں معاوضہ نہیں زندہ رہنے کا حق چاہیئے"

علی بستی کے ضرغام حیدر نے بتایا کہ وہ اپنے چند شیعہ دوستوں کے ساتھ ہر سال کی طرح اس مرتبہ بھی سیرت النبیؐ کے جلوس میں شامل تھا۔ جب جلوس گولیمار ۲ پر پہنچا تو جگن نے جلوس کو روکا اور کہا۔ واپس چلو رضویہ میں ہمارا ایک آدمی قتل ہو چکا ہے پھر اعلان ہوا کہ کچھ شیعہ بھی جلوس میں شامل ہیں۔ قمیض اٹھا کر دیکھو ان کے سینوں پر ماتم کے نشان ہوں گے۔" یہ سن کر میں فوراً بھاگ نکلا۔ اب مفتی محمود نے کہا ہے کہ اس سانحہ میں غیر ملکی طاقت کا ہاتھ تھا اس لئے ہمارا مطالبہ ہے کہ جسٹس آئی محمود کمیشن سب سے پہلے ان کا بیان قلمبند کرے۔ اور مفتی صاحب وضاحت کریں کہ اگر انہیں پہلے سے علم تھا تو انہوں نے عوام کو کیوں نہیں بتایا۔ رضویہ کے ڈاکٹر علی حیدر مٹھانی جن کے آئی کلینک پر پتھراؤ ہوا اور کار جلا دی گئی، نے کہا کہ صورتحال اس وقت تک درست نہیں ہو گی جب تک تمام بدمعاشوں کو سزا نہیں دی جاتی"

تنظیم کارروان نجف کے مسٹر رضا نے کہا "حملہ آور کون تھا، زیادتی کس نے کی اس کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ اس سانحہ میں ۹۳ گھر متاثر ہوئے جنہیں سے ۸۵ گھر شیعہ حضرات کے ہیں انتظامیہ جانبداری کا مظاہرہ کر رہی ہے قانون کے محافظوں کی موجودگی میں آگ لگائی گئی۔ گھر ہمارے تباہ ہوئے آدمی ہمارے ہلاک ہوئے گرفتار بھی ہمیں کو کیا جا رہا ہے ہم پر زمین تنگ کی جا رہی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ ہمیں زندہ رہنے کا حق ہے یا کہ نہیں۔"

مری بستی کسی آسیب کا مسکن بنی ھے

شیخ احسن

فضاؤں میں معلق ہو گیا سورج!
بگولے آگ برسانے لگے ہیں
شجر جلنے لگے ہیں ———
بدن کلیوں کے چھلنی ہو گئے ہیں
شگوفوں سے لہو رسنے لگا ہے
چمن پھولوں کا مقتل بن گیا ہے
ہوا شوریدہ سر ہونے لگی ہے
مکانوں کی چھتیں اڑنے لگی ہیں
فصیلیں گر رہی ہیں ———
جنوں ہیجان نفرت کے الاؤ جل اٹھے ہیں
بریدہ دست و بازو۔ زخم زخم آنکھیں
لہو میں تر بتر چہرے ———
گلی کوچوں میں بکھرے ہیں۔
لہو کی پیاس سے پاگل چڑیلیں چیخ اٹھی ہیں
گدھیں سوکھے ہوئے پیڑوں پہ بیٹھی ہیں
مری بستی پہ چیلیں آج پھر منڈلا رہی ہیں
مری بستی کسی آسیب کا مسکن بنی ہے
مکیں سوچوں سے عاری خالی ذہنوں کو اٹھائے
گلی میں آ گئے ہیں ———
کہ اپنے جسم کے ریزے سمیٹیں
کہ اپنے آپ کی تکمیل کر لیں
مگر کیسے ———
کہ ان کے ہاتھ جسموں سے الگ ہیں
کہ ان کے جسم پر سر ہی نہیں ہیں

زھرابِ آرزو

مقبول قریشی

یہ فلک بوس عمارات، یہ کھلیان، یہ کھیت!
میرے مونس، میرے اسلاف کی سطوت کے امین
جن کے تابندہ و ضوبار مناظر نے سدا
میرے اجداد کی عظمت کو سلامی دی ہے

یہ طرب زار، یہ کوچے، یہ مہکتی راہیں
جگمگاتے ہوئے بازار، منقش در و بام!
رنگ و رامش سے مزیّن یہ دمکتے مینار
نقش ہیں جن کی جبیں پر میری کاوش کے نشاں
جن کی تعمیر میں حل ہے میری شہ رگ کا لہو
سوچ میں گم ہیں کہ کب آئے گی وہ صبح بہار
جس کی آہٹ سے لرز اُٹھے شب تیرہ و تار!
جس کی بانہوں میں ملے ہجر کے ماروں کو قرار!
جس کے بربط سے اٹھے ایسی دل افروز نوا
سالہا سال کے مبہوت اسیرانِ الم
جن کو صدیوں کی عبادت سے بھی نفرت ہی ملی
دف بجاتے ہوئے اس عزم کا اقرار کریں
آج سے بند ھے ہر جلوہ بے فیض کا باب
اب عزا خانوں میں مہکیں گے مسرت کے گلاب

خودی کو چھوڑ غلامی میں نام پیدا کر

مختار عاقل

ایک مکتوب نگاہوں کے سامنے ہے جس میں سندھ کے شہر جیکب آباد کی بلدیہ کے ایک "عظیم کارنامے" کا ذکر ہے مکتوب نگار کے مطابق بلدیہ جیکب آباد نے شہر کی شکستہ حال اور زخمی سڑکوں کے شکوے کو نظر انداز کرتے ہوئے جواب شکوہ کے طور پر پچاس ہزار روپے کی لاگت سے مرحوم جنرل جیکب کے مزار کی شان و شوکت میں اضافہ کرتے ہوتے غلامی کے نقوش کو چمکدار بنانے کی کوشش کی ہے اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ مرحوم کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ایک گھڑی میں پنڈولم کی حیثیت سے استعمال ہونے والا توپ کا وہ گولا بھی محفوظ ہے۔ جو ملتان کی فتح کے وقت داغا گیا تھا اور اس گھوڑے کی قبر بھی جو فتح خان گڑھ (حالیہ جیکب آباد) کے وقت آپ کے ہمرکاب تھا۔ مکتوب میں بلدیہ کے اس "عظیم کارنامے" کی تشہیر اور جنرل مرحوم کی ذہانت و بہادری کا پرچار دیکھ کر بے چارے میر جعفر پر رحم آتا ہے کہ ناحق اس زمانے میں پیدا ہو کر محض انگریز کا ساتھ دینے کی پاداش میں ننگِ ملک اور ننگِ ملت کا خطاب حاصل کیا، اگر آج کے دور میں پیدا ہوتا تو فرنگی آقاؤں کے جوتوں پر بوٹ پالش کرنے کے باوجود اسلام کا سب سے بڑا سپاہی اور عظیم رہنما کا خطاب حاصل کرتا۔

برِصغیر سے انگریز صاحب بہادر کے رخصت ہو جانے کے بعد جو سب سے "مقدس ورثہ" ہمارے حصہ میں آیا وہ افسر شاہی، نوکر شاہی کی فوج تھی، جس نے آقاؤں کے رخصت ہونے کے بعد بھی ان کی شان و شوکت اور سطوت کے نشانات محفوظ رکھے۔ بدیسی آقاؤں نے جلیانوالہ باغ، میرٹھ، دہلی، لاہور اور بمبئی وغیرہ میں اپنی "جبروت" کا سکہ بٹھایا تھا اور دیسی آقاؤں نے ڈھاکہ فائرنگ، پنڈی فائرنگ، لانڈھی و سائٹ فائرنگ، ہشت نگر، ڈیرہ اور پٹ فیڈر فائرنگ کے علاوہ اب ملتان فائرنگ کے ذریعہ اپنی "عظمت" کے نشانات گاڑے ہیں۔ عظیم قومیں اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھتی ہیں۔ پاکستان اسلام کا قلعہ ہونے کے ناطے عظیم ملک ہے۔ لہٰذا انگریز بہادر کی ہر نشانی کا تحفظ اس ملک کے عوام کا اولین "فرض" ہے لیکن عوام کے ذہنوں میں ان دنوں خناس سما گیا ہے وہ اپنے سابقہ آقاؤں کو 'سامراج' کے نام سے پکارنے لگے ہیں، دولتِ مشترکہ میں شرکت کو سامراجی سازش قرار دیتے ہیں لیکن "رہنما" اپنے فرض سے غافل نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ پہلے لارڈ کلائیو اور ماؤنٹ بیٹن براہِ راست خام مال اور سرمایہ باہر لے جاتے تھے اور اب یہ کام دولتانے، ٹوانے، سہگل، ہارون، داؤد اور آدم جی انجام دیتے ہیں کہ مبادا دنیا یہ نہ کہہ دے کہ اپنے "محسنوں" کو اتنی جلدی فراموش کر دیا۔ آقاؤں سے وفاداری کا خیال اس حد تک دامنگیر رہتا ہے کہ ہماری پسند اور ناپسند بھی اسی محور کے گرد گھومتی ہے۔ مثلاً عوامی جمہوریہ چین ہمارا پڑوسی ملک ہے۔ ہم سے دو سال بعد آزاد ہونے کے باوجود ترقی یافتہ ممالک کے کان کتر رہا ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران جب کہ ہمارے "اصل آقاؤں" نے منہ پھیر لیا تھا، ہماری فوجی، اقتصادی اور سیاسی مدد بھی کر چکا ہے، ہم اس کی ترقی اور جذبۂ محنت سے بھی بہت متاثر ہیں، لیکن جس نظریہ کے تحت یہ سب کچھ عمل میں آیا ہے، اس سے ہمیں نفرت ہے۔ کیونکہ ہمارے آقا بھی اسے ناپسند کرتے ہیں۔ ان کے حکم کے مطابق ہم سوشلزم کو غیر ملکی نظریہ سمجھتے ہیں لیکن جنرل جیکب غیر ملکی ہونے کے باوجود ہماری سرزمین پر فاتح کی حیثیت سے رہے ہیں۔ دنیا فاتحوں کی قدر کرتی ہے لہٰذا ہم بھی ان کی قدر کرتے ہیں، انہیں سلام پیش کرتے ہیں، ان کے نشانات کو پختہ اور مضبوط بناتے ہیں تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں بھی ان نشانات کو دیکھ کر اپنے آباؤ اجداد پر فخر کر سکیں اور خوشنودی و جی حضوری کے راستے پر گامزن رہیں۔ بخت خان، ٹیپو سلطان، سراج الدولہ، شہید تیتو میر اور ہوش محمد شیدی تو "بے وقوف" تھے جو اپنی جان گنوائی، ان کے نقشِ قدم پر کبھی نہیں چلنا چاہیئے بلکہ میر جعفر نظام دکن، سکندر حیات، اسکندر مرزا اصغر خان، مسلم لیگیوں اور مودودیوں کی راہ اپنانی چاہیئے تاکہ دنیا اور آخرت دونوں میں راحتِ جاں نصیب ہو۔ ویت نام، کمبوڈیا، گنی لبساؤ، موزمبیق اور الجزائر کی مثالیں گمراہ کن ہیں کیونکہ وہاں کمیونسٹ آباد ہیں، اس کی بجائے تھائی لینڈ، اردن اور انڈونیشیا میں آقاؤں سے وفاداری کی روشن مثالیں ہمارے لئے "مشعلِ راہ" ہیں

بقیہ: ٹکا خان کا انٹرویو

تو میں اس کے لئے حاضر ہوں چنانچہ میں نے انکی بات مان لی ۵ جولائی کے بعد مجھ سے پوچھا گیا کہ میرا پروگرام کیا ہے؟ تو میں نے جواب دیا کہ میں پی پی میں شامل ہو جاؤں گا کہ عوام کی آج نوّے فیصد تعداد مسٹر بھٹو کے ساتھ ہے — میرا یہ فیصلہ اٹل ہے

مسٹر ٹکا خان نے کہا کہ "جز وقتی سیاست" اور "جز وقتی دفاعی خدمت" چل نہیں سکتی، دونوں کے راستے الگ الگ ہیں فوجی جنرل "نظریۂ ضرورت" کے تحت سیاسی میدان میں آ ہی گئے ہیں تو اب انہیں جلد از جلد واپس ہو جانا چاہیئے آج ہر شخص انتخابات کا مطالبہ کر رہا ہے۔ مارشل لاء نہیں چاہتا۔ لہٰذا عوام کی خواہشات کے برعکس مارشل لاء جاری رہا تو فوج اور عوام میں تصادم کا خطرہ بڑھتا جائے گا۔ اور یہ ملک اور قوم کے لئے انتہائی مضر ثابت ہوگا۔

ہندوستان سے تجارت، راہداری تعلقات کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ سونا، کپڑا اور ملک کی معیشت کو تجارت کے حوالے کر کے پاکستان کی خدمت نہیں ہو سکتی۔ اس ملک کی معیشت تباہ ہو جائیگی اور ملک تباہ ہو جائے گا۔ ویسے بھی یہ کام موجودہ حکومت کا نہیں نمائندہ حکومت کے قیام تک ان معاملات کو نہ چھیڑا جائے اور قومی اتحاد والے بھی مارشل لاء کے کندھوں پر اپنی دکان نہ سجائیں کیونکہ اس سے ان کا اپنا وجود نفرت کی علامت بن گیا ہے۔

مسٹر ٹکا خان نے کہا کہ سیکورٹی کا عملہ میرا ہر وقت تعاقب کرتا ہے اور میرا فون ٹیپ کیا جاتا ہے۔ اب انہیں کون بتائے کہ "میرا سب کچھ پاکستان ہے"۔ میں وہ نہیں جو بھارت کی بالادستی کو تسلیم کر لے۔ مجھے دنیا کے نقشہ پر ہمیشہ پاکستان ہی سربلند نظر آتا ہے اور اس کے پرچم کی جانب جو بھی ہاتھ بڑھتا ہے میں اس کا دشمن ہوں گا۔

سب کچھ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو رہا ہے

پاکستان فیڈرل یونین آف اسٹوڈنٹس کی قراردادیں

پاکستان فیڈرل یونین آف اسٹوڈنٹس کا ایک تنظیمی اجلاس کراچی میں سلیم شاکر کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ملحقہ تنظیموں بلوچ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن، پختون سٹوڈنٹس فیڈریشن، سندھ نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن اور فیڈریشن آف پنجاب سٹوڈنٹس کے عہدیداروں نے شرکت کی۔ اجلاس میں طلبہ تحریک سے متعلق مختلف فیصلے کئے گئے اور قراردادیں پاس کی گئیں۔ ایک قرارداد میں ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا گیا کہ عوام کی ایک موثر طاقت طلبا کے سیاست میں حصہ لینے اور طلبا یونینوں کے انتخابات پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ مارشل لا کے ضابطہ ۲۸ کی تلوار تعلیمی کمیشن کی سفارشات کا طوق طلبا کے گلے میں لگا دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مزدوروں کسانوں اور دیگر محب وطن عوام کے سیاست میں حصہ لینے پر پابندی لگا دی گئی ہے اور صرف ایک مخصوص قسم کی سیاست کرنے والوں اور اونچے طبقات کو سیاست میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی ہے ملک میں غربت، بے روزگاری، مہنگائی، چور بازاری اور رجعت پسندوں کی غنڈہ گردی کا سلسلہ طول پکڑتا جا رہا ہے اور عوام میں سماجی عدم تحفظ کا احساس شدید تر ہوتا جا رہا ہے۔ عوام کو خوفزدہ کرنے اور سیاست سے الگ کرنے کی کوششیں تیز تر ہیں۔ اخبارات اور ابلاغ عامہ پر آزادانہ اظہارِ رائے کی پابندی ہے۔ شہری اور جمہوری آزادیاں سلب ہیں۔ مزدوروں کسانوں طلبہ اور سیاسی کارکنوں کی گرفتاریاں بے حساب بڑھ گئی ہیں۔ ان کو کوڑے لگانے کی بہیمانہ اور غیر انسانی سزائیں دی جا رہی ہیں یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا جا رہا ہے حقیقتاً حکمران طبقہ زوال پذیر ہے اور اس وقت بے انتہا کمزور ہو چکا ہے اور مختلف عوام دشمن سرگرمیوں کے ذریعے اپنے آپ کو سہارا دے رہا ہے۔ جب کہ پاکستان کے عوام حکمران طبقات کی عوام دشمن سرگرمیوں رجعت پرستی کے خاتمے، جمہوری اور سیاسی آزادیوں کی بحالی اور سامراج سے چھٹکارا پانے کے لئے سخت بے چینی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور اس کا اظہار مختلف لڑائیوں کی شکل میں ہو رہا ہے۔

قرارداد میں مطالبہ کیا گیا کہ طلبا کے سیاست میں حصہ لینے پر پابندی ختم کی جائے۔ مارشل لا ضابطہ ۲۸ واپس لیا جائے۔ تعلیمی کمیشن کی سفارشات اور اسلامی مشاورتی کونسل کے تعلیمی فیصلے واپس لئے جائیں۔ مخلوط تعلیم کو ختم کرنے کا فیصلہ واپس لیا جائے۔ تعلیمی نظام کو سائنسی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ سامراج سے معاشی سیاسی اور ثقافتی رشتے مکمل طور پر ختم کئے جائیں اور ملک کو مستحکم آزاد معیشت کی بنیادوں پر کھڑا کیا جائے سامراجی سرمایہ ضبط کیا جائے اور سوشلسٹ ممالک سے تعلقات بڑھائے جائیں، جاگیرداری، اجارہ دار سرمایہ داری اور گماشتہ سرمایہ داری کا خاتمہ کیا جائے۔ پبلک سیکٹر میں اضافہ کیا جائے اور اسے نوکر شاہی کے کنٹرول میں دینے کی بجائے محنت کشوں کے کنٹرول میں دیا جائے۔

فری نیوز پیپرز کونسل کا قیام

پاکستان کے آزاد اخبارات وجرائد کے ایڈیٹروں نے ۲۵ فروری کو راولپنڈی میں اخبارات و رسائل کو درپیش مسائل پر مشترکہ جدوجہد کرنے کے لئے اپنی تنظیم فری نیوز پیپرز کونسل کے قیام کا اعلان کیا ہے روزنامہ حیات راولپنڈی، روزنامہ تعمیر راولپنڈی اور ہفت روزہ معیار کراچی کے ایڈیٹروں نے آج راولپنڈی میں ایک اجلاس کے بعد اس تنظیم کے قیام کا باقاعدہ اعلان کرتے ہوئے ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ آزاد اخبارات و رسائل کے مسائل میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے نیوز پرنٹ کی عدم دستیابی سرکاری وغیر سرکاری اشتہارات کے حصول میں رکاوٹیں سرکاری محکموں کے جانبدارانہ رویے زرِ ضمانت کی طلبی کے نوٹس اور دیگر بہت سے ایسے مسائل ہیں جن پر ایک مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے کی ضرورت ہے یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ پہلے سے قائم ایڈیٹروں، صحافیوں اور مالکان اخبارات کی تنظیموں کی کارکردگی اس تنظیم کے قیام سے متاثر نہیں ہو گی۔ تنظیم کے ارکان ملک گیر سطح پر تبادلہ خیال کے لئے مارچ کے دوسرے ہفتے میں راولپنڈی میں جمع ہوں گے۔ عام آزاد اخبارات اور رسائل کے ایڈیٹر تنظیم کے ایڈہاک دفتر معرفت روزنامہ تعمیر راولپنڈی کے پتہ پر رکنیت کے لئے اپنے کوائف اور دوسرے مسائل کی تفصیلات مارچ کے پہلے ہفتے تک ارسال کر دیں۔ تنظیم کے عہدیداروں کی باقاعدہ تقرری تک ایڈیٹر روزنامہ تعمیر راولپنڈی مسٹر بشیر الاسلام عثمانی کی کنوینر شپ میں افضل صدیقی ایڈیٹر روزنامہ امن کراچی اور ہفت روزہ معیار کراچی کے ایڈیٹر محمود شام پر مشتمل ایڈہاک کمیٹی رابطہ کا فرض انجام دے گی۔ فری نیوز پیپرز ایڈیٹرز کونسل کے بنیادی مقاصد میں عوام کی حقیقی ترجمانی اخبارات کی مکمل آزادی، جمہوریت کی بحالی اور ترقی پسند معاشرہ کا قیام شامل ہے واضح رہے کہ پاکستان کے آزاد اخبارات پہلے ہی ان عظیم مقاصد کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اور مختلف مسائل کا سامنا کر رہے ہیں۔

بقیہ: اسلام آباد

• جنہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی تھی ایک ایک کر کے انہیں چھوڑ گئے۔ اور جب مسٹر بھٹو کو ایوانِ اقتدار سے رخصت کیا گیا تو اس کے بعد مولانا کوثر نیازی پیپلز پارٹی میں ایک ایسے گروپ کے ترجمان بن گئے جو مارشل لا حکومت کو بے چون وچرا تسلیم کرتا ہے انہوں نے اپنے اس نکتہ نظر کا اس طرح پرچار کیا کہ کئی بار مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی تحریری خواہشات کو بھی انہوں نے ٹھکرا دیا۔ آج کل وہ مسٹر بھٹو کے اور ان کی پالیسیوں کے سخت خلاف ہیں جب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ملک کے مقتدر وزیر اعظم تھے۔ اس وقت مولانا کوثر نیازی ان کے وزیر مذہبی امور تھے انہوں نے اعلان کیا کہ وہ مسٹر بھٹو کی سوانح حیات لکھنا چاہتے ہیں "دیدہ ور" کے نام سے یہ کتاب ۱۹۷۷ء کے عام انتخابات سے قبل شائع ہو کر مارکیٹ میں آئی۔ مولانا نے اس کتاب میں مسٹر بھٹو کی تعریف و توصیف میں الفاظ و معانی کے دریا بہا دیئے ہیں۔ انہوں نے بیگم نصرت بھٹو کو بھی شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے ابھی اس کتاب کی سیاہی بھی خشک نہیں ہو پائی تھی کہ دیدہ ور کے مصنف کے ممدوح

کو جیل میں جانا پڑ گیا۔ دیدہ ور جو کسی چمن میں بڑی مشکل سے پیدا ہوا تھا، اپنے مصنف کے لیے مشکلات پیدا کر گیا۔ الفاظ خشک ہونے سے پہلے مولانا نے پینترہ بدل لیا وہ اب اسی ذوالفقار علی بھٹو کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں جسے انہوں نے بنانے کیا کچھ بنا ڈالا ہے

مولانا کوثر نیازی اس سے پہلے جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی کے حلقہ بگوشوں میں شامل تھے اور جماعت اسلامی لاہور کے قیم کے عہدے پر فائز تھے اس وقت جماعت اسلامی کا یہ عہدہ کافی شان و شوکت والا تھا مولانا کوثر نیازی نے غالباً تربیت کے زیر اثر ہی مولانا مودودی کی شان میں وہ کلمات ادا فرمائے جو وہ اس سے قبل شاید ادا کرنا سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اس وقت ایوب خان نے مولانا کوثر نیازی کو ایسے سبز باغ دکھائے تھے کہ مولانا اپنے ممدوح اول کے خلاف بیان دینے لگے۔ انہوں نے جماعت اسلامی کو اپنے قلم سے وہ نقصان پہنچایا کہ ایوب خان اپنے پورے طنطنے کے باوجود نہیں پہنچا سکے تھے۔ ایوب خان کے قریب وہ اس قدر رہے کہ ایک بار ایوب خان نے مولانا کو کابل ایک خصوصی مشن پر بھجوایا۔ اور جب کابل جانے سے پہلے مولانا ایوب خان سے ملے تو انہوں نے اپنے دستخط شدہ کتاب "جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی" پیش کی۔ ایوب خان کے زوال کے بعد مولانا یحییٰ خان کی ضرورت بن گئے اور اسی دور میں وہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی ضرورت بننے میں کامیاب ہو گئے آج کل وہ وقت کی ضرورت ہیں اور وہ ضرورت یہ ہے کہ ان کے نئے ممدوح ہر قیمت پر یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان پیپلز پارٹی سے کسی صورت بھی مسٹر ذوالفقار علی بھٹو یا ان کی بیگم اور بچوں کا نام وابستہ نہ رہے کیونکہ اگر ایسا ہو گیا تو پھر پاکستان پیپلز پارٹی کی پالیسی میں وہ لات اور بات میں وہ وزن ختم ہو جائے گا جو مسٹر بھٹو، بیگم بھٹو یا صاحبزادی بے نظیر بھٹو نے پیدا کر رکھا ہے اور پارٹی جی حضوریوں کا ایک ٹولہ بن کر رہ جائے گی۔ ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں یہ ایک علیحدہ بات ہے اور ہم اس بحث میں پڑنا بھی نہیں چاہتے مگر یہ وہ بات ہے جو کسی نے ممدوح صاحب کو سمجھا دی ہے اس لئے مولانا کوثر نیازی نے اگلے روز اسلام آباد میں ایک پریس کانفرنس میں اپنے اختلافات کا برملا اظہار کیا۔ یہ پہلی کانفرنس تھی جب مولانا اپنے چند بے حد قریبی ساتھیوں کے بغیر صرف اپنے بیٹے کے ہمراہ پریس کانفرنس میں آئے تھے شاید یہ پریس کانفرنس اس روز ہوئی بھی نہیں، مگر اخبارات میں بیگم نسیم ولی خان سے منسوب ایک بیان چھپا کہ مولانا کوثر نیازی عنقریب این ڈی پی میں شامل ہو جائیں گے مولانا نے اس خبر کے شائع ہونے کے دوسرے ہی اخبارات میں چند فون کیے اور پریس کانفرنس کر ڈالی پریس کانفرنس میں مولانا کے لہجے میں سے بوئے اقتدار آ رہی تھی ایک اخبار نویس ذرا تفصیلات جاننا چاہتے تھے مولانا نے ان سے کہا آپ دوسروں کو بھی موقع دیں یہ کانفرنس صرف آپ کے لئے نہیں ہے۔ اخبار نویس نے کہا اگر آپ برا مان رہے ہیں تو میں چلا جاتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ مولانا کے دائیں جانب نیشنل پریس ٹرسٹ کے جنرل منیجر صاحب حبیب الرحمان صاحب عرف بیبے بیٹھے تھے پریس کانفرنس شروع ہونے سے قبل انہوں نے پوچھا کیوں بھئی حبیب آجکل چیئرمین کے خلاف خبریں نہیں چھپ رہی ہیں۔ حبیب الرحمان نے کہا "نٹ شیل یہ ہے کہ منہاج برنا کو پہلی بار شکست ہوئی ہے"۔ مولانا نے مسکرا کر پوچھا۔ یہ تمہاری استادی ہے حبیب الرحمان نے کہا جی میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ آر یو جے کے صدر حسن اختر گردیزی آئے تو انہیں ساری بات معلوم ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ بغیر اطلاع کے ہماری منٹ ہو چکی ہے بہرحال ان کا حال ایسا ہی ہوگا۔ مولانا کوثر نیازی نے حبیب الرحمان صاحب سے کہا۔ چلو بھئی تمہارا گریڈ تو بڑھ گیا۔ (یہ اشارہ تنخواہ کے گریڈ کی طرف ہرگز نہیں ہے) حبیب الرحمان صاحب آج کل برملا کہتے پھرتے ہیں جب تک اس سالے کو پھانسی نہیں ہوگی، ہمیں تو مزہ نہیں آئے گا۔ سالے کو پھانسی ہو یا نہ ہو ہمیں اس سے کیا۔ بہرحال معلوم ہوتا ہے کہ حبیب الرحمان صاحب کی دم پر سالے نے زبردست پیر رکھا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ سالے نے جیل میں سے کیسے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

بقیہ : کراچی نامہ

کروا کر، حکومت منتخب نمائندوں کو منتقل کر دے اور بیرکوں میں واپس چلی جاتے۔ یہ اقدام ملک و قوم کے حق میں بہتر رہے گا۔ دوسری کوئی صورت ملک کو مکمل تباہی کے کنارے تک پہنچا دے گی"۔

سندھ کے عوام جمہوریت پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ اور اسی کو اپنی اور قوم کی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اتحاد کے اس اکلوتے جمہوریت پسند رہنما کے الفاظ میں شاید وہ اپنے دل کی دھڑکن محسوس کرتے ہیں۔

بقیہ : حسین نقی

ہر دو صورتوں میں یہ اعلیٰ ترین عدالت یعنی سپریم کورٹ میں جائے گا۔

پھر یہ تو محض ایک مقدمہ ہوا۔ ابھی تک چھ مزید مقدمات دائر ہو چکے ہیں اور مزید بھی دائر ہو سکتے ہیں۔ عدالتی کارروائی کا دائرہ اس قدر وسیع کیا جا سکتا ہے کہ یہ واقعی اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک انتخابات کے مثبت نتائج نکلنے کا جنرل ضیا صاحب اور اُن کے ساتھیوں کو یقین ہو جاتے۔

تیسرا مسئلہ پیپلز پارٹی کے سامنے اُس کی قیادت کے غیر فعال حصّہ کا ہے۔ اس ضمن میں اوّلین ضرورت پارٹی کے لئے یہ ہوگی کہ وہ اوپر کی سطح سے لے کر نچلی سطح تک اپنی تنظیم کا جائزہ لے اور جو افراد اپنی ذاتی وجوہ اور حالات کی بنا پر بے عملی کا شکار ہو چکے ہوں ان کی جگہ پر فعال کارکنوں کو نامزد کر دیا جاتے۔ یہ نامزدگی فعال کارکنوں کے مشورہ سے عمل میں آتے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

مارشل لا کے ضابطہ ۳۸ کے تحت جو تازہ ترین پابندی عائد ہوئی ہے اس کے تحت پیپلز پارٹی کی قیادت میں اعلیٰ ترین سطح تک وہ تمام افراد، جن میں بیگم نصرت بھٹو بھی شامل ہیں کسی بھی سیاسی سرگرمی میں حصّہ نہیں لے سکتے۔ کیونکہ اس پابندی سے محض وہ لوگ باہر رہ گئے ہیں جن کے متعلق "نااہل" قرار دیئے جانے کے متعلق نااہلی کے فیصلے دینے کے مجاز ٹریبونل کو اطلاع نہ دی گئی ہو۔

لیکن کیا اس طرح پیپلز پارٹی کی قیادت پر قبضہ کے لئے مولانا کوثر نیازی کا راستہ کھولا جا سکتا ہے؟

پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی بھاری اکثریت ظاہر ہے کہ کسی بھی طرح اس صورت حال کو قبول نہیں کرے گی کہ اگر وہ ایسا کر لے تو یہ محض پیپلز پارٹی کا لیبل تو لگا سکتی ہے لیکن پیپلز پارٹی نہیں کہلا سکتی۔

عملاً اس صورت حال نے بے نظیر بھٹو کے قائم مقام چیئرمین بننے کے لئے راہ ہموار کر دی ہے۔ کہ پیپلز پارٹی کے کارکن "بھٹو" کو لیڈر مانتے ہیں اور بے نظیر بھی "بھٹو" بھی ہیں۔ چاہے "مجلس عاملہ" میں کوثر نیازی یا ان جیسے ہی کسی اور کے فرد کے حق میں کتنے ہی ہاتھ اُٹھوائے جائیں پیپلز پارٹی کے عام کارکنوں کے لئے بے نظیر بھٹو ہی عملاً قائم مقام چیئرمین ہوں گی۔ اور کیا ہوگا، کیا کچھ ہوگا، وقت ہی بتا سکے گا۔

ترین معدنیات بلوچستان میں پائی جاتی ہیں لیکن ان کے اصلی مالک بلوچ عوام کے مقدر میں ابھی تک چیتھڑے ہیں، سوکھی روٹی ہے اور گڑ کی چند ڈلیاں ہیں۔ افسر شاہی، بیوروکریسی اور بالادست طبقہ بلوچوں کو لوٹ کر سامراج اور علاقائی چودھریوں کا پیٹ بھر کر کچھ ہڈیاں خود بھی نوچنا چاہتا ہے۔ لیکن پنجاب کے کھلیانوں میں لینے والے دلیر نوجوان ان کی ایسی چالوں کو سمجھنے لگے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح کھڑی فصلیں اس کی ضروریات پوری کرتی ہیں اسی طرح بلوچستان کی معدنیات بھی جھونپڑوں میں رہنے والے سردیوں میں ٹھٹھرنے والے بلوچوں کے لیے سکھ کا سامان مہیا کر سکیں ہم جان چکے ہیں کہ بلوچوں کا قومی دشمن اور ہمارا طبقاتی دشمن یہاں کا افسر شاہی ٹولہ ہے۔ ڈی سی اور ایس پی اور سیکرٹریوں کی فوج ظفر موج ہے۔ لیکن ہم ان چہروں کو پہچان رہے ہیں۔ سفر منزل جاری ہے ہم بلوچوں کی قومی جمہوری جدوجہد کو پنجابیوں کا سرخ سلام عرض کرتے ہیں اور ان کے شانہ بشانہ چلنے کا عزم کرتے ہیں۔

سید غیاث الدین

نیو کیمپس پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

حسین نقی کی چمچہ گیری

بیوروکریسی آج کل بڑی چمچہ گیری کر رہی ہے اپنے بڑوں کی اور ہم چمچہ گیری کر رہے ہیں جناب حسین نقی کی۔ بیوروکریسی کی تو پرانی عادت ہے چمچہ گیری کی، مگر ہم نے حسین نقی کی چمچہ گیری اس لیے کی ہے کہ وہ ہمیشہ سچ لکھتے ہیں۔ اس بار تو انہوں نے ۱۳ جنوری سے ۲۰ جنوری کے شمارے میں سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں پھر یہ شمارہ دیکھو۔ اور آنسوؤں کا شمارہ ہے جناب برنا صاحب حسین نقی کا قلم تلوار سے زیادہ تیز ہے خدا اور زیادہ زورِ قلم عطا کرے۔ مگر جناب حسین نقی صاحب نے جنرل صاحب کی چمچہ گیری کیوں شروع کی ہے (معذرت کے ساتھ) یہ آپ کا طنز کہیں جنرل صاحب کو زیادہ غصہ نہ دلا دے اور پھر آپ نو دو گیارہ نہ ہو جائیں اس کے علاوہ آپ نے تو کسی کو نہیں بخشا میرا مطلب ہے کوثر نیازی کو بھی۔ سانحہ ملتان کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ ہم اس واقعہ کی پرزور مذمت کرتے ہیں صحافت نام کو بدنام کرنے والے اور سیاسی لیڈر (اتحادی) سات ستارے الگ دو ستارے۔ اور حکمران کا ایک ستارہ ایک دوسرے کی چمچہ گیری کر رہے ہیں تو پھر ہمارے اوپر کیا اعتراض ہو سکتا ہے کہ ہم ایک بے باک صحافی کی چمچہ گیری نہ کریں۔ کیوں نہ کریں۔ سچا انسان ہمارا دوست ہے ایک دوست کی خاطر چمچہ کہلوانا بری بات نہیں ہے کہنا والا سمجھ جائے گا خود بخود۔

میر ہوت علی تالپور خیرپور میرس۔

بائیں بازو کا اتحاد

۲۷ جنوری تا ۳ فروری کے شمارے میں خان گل ہشت نگر کا ایک مکتوب شائع ہوا۔ فاضل مکتوب نگار نے بائیں بازو کے اتحاد کے سلسلے میں کافی نیک خواہشات کا اظہار کیا ہے۔ اور ساتھ ہی بائیں بازو کے متقدر رہنماؤں پر اتحاد نہ کرنے کی تنقید بھی کی ہے اس سلسلے میں عرض ہے کہ میں خود بھی بائیں بازو کی تحریک کا ایک سرگرم رکن ہوں۔ اور تمام بائیں بازو والوں کی طرح میں بھی چاہتا ہوں کہ بائیں بازو کا اتحاد ہو۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری یہ نیک خواہش ابھی تک عمل پذیر نہ ہو سکی۔ گزشتہ دنوں جناب سی آر اسلم صدر پاکستان سوشلسٹ پارٹی پشاور تشریف لائے۔ مقامی سوشلسٹ پارٹی نے ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ ترتیب دیا تھا۔ اس استقبالیہ میں راقم الحروف نے محترم سی آر اسلم سے اتحاد کے متعلق سوال کیا تھا۔ کہ کیا وجہ ہے کہ بائیں بازو کا موثر اتحاد عمل نہیں ہو رہا آیا کہیں شخصیت کا ٹکراؤ تو بائیں بازو والوں میں نہیں ہے اس کے جواب میں جناب چودھری نے اپنی پارٹی کی طرف سے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا تھا کہ سوشلسٹ پارٹی اپنے قیام سے لے کر آج تک بائیں بازو کے اتحاد کے لیے کوشاں ہے اور ہمیشہ اتحاد کی کوشش کرتی رہے گی۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ اگر بائیں بازو والے متحد ہوتے ہیں تو ہم کرنے تک کسی قسم کا عہدہ نہ دیں بلکہ ہم اس اتحاد میں عام کارکن کی حیثیت سے کام کرنے کو تیار ہیں اتحاد ہم نے ہمہ وقت چاہا۔ اور کوششیں بھی کیں۔ لیکن لیفٹ کے دوسرے گروہ اس میں رکاوٹ بنتے ہیں اس قسم کے خیالات کا اظہار محترم عبدالوحید جنرل سیکرٹری سوشلسٹ پارٹی سرحد نے بھی ایک میٹنگ کے دوران راقم الحروف سے کیا۔ مندرجہ بالا تمام باتوں کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچی ہے کہ سوشلسٹ پارٹی اتحاد کے راستے میں رکاوٹ نہیں ہے اور واقعی اس ملک میں مزدوروں کسانوں کا راج لانے کے لیے یہ پارٹی مخلص ہے۔

طارق منیر پشاور

بلوچوں کا مسئلہ

بلوچستان پاکستان کا ایک حصہ ہے لہٰذا پاکستان پر جو اثرات ڈالے جاتے ہیں بلوچستان ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پاکستان کی تیس سالہ تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ صاف طور پر نظر آئے گا کہ قیام پاکستان سے آج تک کوئی قومی حکومت اس سرزمین پر قائم نہیں ہوئی۔ بلکہ ملک کی حیثیت ایک نوآبادیاتی ملک کی سی رہی ہے

عوام نے حکمران ٹولہ کی اس طرز عمل پر غم و غصہ اور احتجاج کیا مگر حکمرانوں نے عوام کے اصل مسائل کی طرف توجہ نہیں دی۔ بلکہ مسائل کو نہایت غیر حقیقت پسندانہ طریقے سے حل کرنا شروع کیا۔ مثلاً عوامی ابھار سے خوف زدہ ہو کر خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو برطرف کیا گیا اور آئین کو معطل کر کے ملک میں غلام محمد کی ننگی آمریت کو قائم کیا گیا۔ اور اسی طرح بعد میں ایوب خان کی اور یحییٰ خان نے فوجی آمریت قائم کی۔ اور جمہوریت کے تقدس کو پامال کر دیا گیا۔ لیکن تاریخ اپنے آپ کو پیچھے نہیں لے جاتی بلکہ تاریخ کا ایک ارتقائی عمل ہے جس میں سماج کے تضادات تیز تر ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا ۱۹۶۹ء کی عوامی تحریک سے ایوبی فوجی آمریت کا بھی خاتمہ ہوا۔ اور اسی طرح مسٹر بھٹو نے عوام کو فریب دینے کے لیے سوشلزم کا نعرہ دیا یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ سامراجی ایجنٹ مختلف روپ میں مختلف حکمت عملی بنا کر آتے ہیں پاکستان کے سیاسی حالات کے جائزے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عوام جمہوریت اور سوشلزم چاہتے ہیں جو ان کے تمام مسائل کا حل ہے مگر چونکہ ملک میں شروع ہی سے جمہوری اداروں کو قائم کرنے نہیں دیا گیا۔ لہٰذا عوام کے شعور میں اتنی پختگی نہیں آئی تھی کہ وہ اپنے گرد و پیش کے حالات کو صحیح اور سائنسی بنیاد پر تجزیہ کریں۔ لہٰذا بھٹو نے سوشلزم کے کاز کو نقصان پہنچایا چنانچہ ان ادوار کے دوران بلوچستان کے لوگوں نے جمہوریت اور سوشلزم کے خلاف سازشوں کی سخت مزاحمت کی مثلاً غلام محمد اور ایوب خان کے دور میں آمریت کے خلاف بلوچستان کے لوگوں نے نہ صرف پارلیمانی جدوجہد کی بلکہ مسلح جدوجہد بھی کی۔ اور بھاری قربانیاں دیں اسی طرح بلوچستان میں جمہوریت اور سوشلزم کے خلاف بھٹو صاحب کی آمریت کی سختی سے مزاحمت کی جس کا عمل اب تک جاری ہے لہٰذا اگر کوئی حقیقت پسندی سے بلوچستان کے مسائل کا حل تلاش کرنا چاہتا ہے تو اس کو جمہوریت سیکولرازم اور سوشلزم کی روشنی میں بلوچستان کے مسائل کا حل نہایت آسانی سے مل جائے گا۔

عبدالغفور بلوچ

صدر بی ایس او گوادر

رائے کا سیاسی اعتکاف

پاکستانی سیاست کے ڈاکٹر برنارڈ حنیف رامے کنونشن مسلم لیگ کے پبلسٹی سیکرٹری تھے تو ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے پر چونکا اٹھا کر پہلے فیلڈ مارشل ایوب زندہ باد کہتے تھے پھر مخاطب سے ہم کلام ہوتے تھے۔ یہ شیر بیشۂ شجاعت اور پیکر حریت آسمان سے گرا آجکل کھجور میں اٹکا ہوا ہے یعنی قومی لیڈرشپ سے دست بردار ہو کر صوبائی قائد کہلانے پر قناعت کر لی ہے رامے ایک کامیاب سیاسی مداری ہے لیکن مداری کے ہنر سے لوگ دل تو بہلاتے ہیں اس پر یقین نہیں کرتے اپنے ایک طویل پریس انٹرویو کے مطابق حنیف رامے ان دنوں سیاسی اعتکاف میں ہیں اور اس طرح رامے اب سیاست میں صوفیا کے تجربات کی پیوندکاری کے ذرائع تلاش کر رہے ہیں۔ جن کوتاہ اندیشوں نے سیاست اور مذہب کو یکجا کرنے کا کمال ہنر دکھایا تھا۔ ان کی سعی رائیگاں کے نتائج ہمارے روبرو ہیں یعنی ؎

وہ جو رکھتے تھے ہم ایک حسرت تعمیر سو ہے

اگر صوفیانہ حال و قال کو بھی سیاست کا جز و بنا دیا تو

پھر سیاستداں ہارمونیم لے کر اسٹیج پر آئیں گے اور خسرو کی زبان میں یہ کہہ کر بھی داد پائیں گے باخلق مارا کار نیست۔ ہماری سیاست بتدریج رہنماؤں کے ہاتھ سے ستارہ شناسوں کے ید قدرت میں منتقل ہوئی تھی۔ اب یہ استغراق و غیب بینی کے ماہرین کے سپرد کی جا رہی ہے جو اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے کے پیروکار ہیں اور اس طرح حکمرانی کے حقوق اس طبقہ کو تفویض کیے جا رہے ہیں جو پاکستانی سیاست میں اب تک قادرِ مطلق رہا ہے۔ رامے پر کبھی سچے سوشلسٹوں نے اعتماد نہ کیا گو اپنے ہفتہ وار "نصرت" کے ذریعہ رامے اس کے لیے کوشاں رہے اب وہ دورِ حاضر کے "شاہ ولی اللہ" بننے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ اور ناکامی اس میدان میں بھی ان کا مقدر ہے بھٹو نے عوامی شعور کو جو پرواز عطا کی ہے اس کے بعد عوام کو بے پر و بال بنانا ناممکن ہے۔ ؎

عشق کی ایک جست نے طے کر دیئے قصے تمام

اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

جیلانی شاہ۔ رحیم یار خان

پیاسی اور نظام مصطفیٰ

میں کسی کام کے سلسلہ میں پی آئی اے ہیڈ آفس ایئرپورٹ گیا تھا۔ وہاں پیاسی والوں کا اخبار "ہماری آواز" دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اور اسی سے پتہ چلا کہ پی آئی اے میں ریفرنڈم ہونے والا ہے پیاسی کے اس اخبار سے معلوم ہوا کہ مارچ کے الیکشن میں نظام مصطفیٰ کے نام پر پی این اے کے کارکنوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔ اب وہی کچھ ریفرنڈم کے وقت کیا جائے گا۔ پیاسی والے اپنے علاوہ باقی سب کو کافر، ملحد اور کمیونسٹ کہتے ہیں۔ اس اخبار میں بار بار نظام مصطفیٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔ میں اخبار پڑھنے کے بعد سوچ رہا ہوں کہ کیا پی آئی اے میں بھی نظام مصطفیٰ کے نعرے سے کارکنوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ لیکن شاید اب ایسا نہ ہو کیونکہ مارشل لا کی حمایت کے باوجود قومی اتحاد والے اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام ہو چکے ہیں اور یہی حال پیاسی والوں کا بھی ہو گا۔ اس امر پر پختہ یقین ہے کہ پی آئی اے کے کارکن پیاسی کو شکستِ فاش دے کر ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیں گے۔

ایس اے بلوچ، کراچی۔

Regd. No. S-2772
Weekly "Al-Fatah" Karachi

مخدوم خلیق الزماں کی گرفتاری، روایت سے بغاوت، پیری اور جوانی کے تقاضے

رپورٹ صفحہ ۱۳ پر